علمائے ہند خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ، اُن کے اہلِ خاندان، حزبِ ولی اللّٰہی، سلسلۂ عالیہ امدادیہ
نیز کاندھلہ، بڈھانہ، پھلت، تھانہ بھون، جھنجھانہ، دیوبند، رام پور، سہارنپور، کیرانہ، گنگوہ، نانوتہ
اور نواحی بستیوں کے علماء اور اہلِ کمال کے احوال و کمالات اور تحریرات و آثار کا مرقع

سہ ماہی

احوال و آثار

مُرتّب:
نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرۃ مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ

سہ ماہی

احوال و آثار

جلد اوّل

کاندھلہ

محرم الحرام ۱۴۱۵ھ مطابق جولائی - اگست ۱۹۹۴ء

مجلسِ مشاورت

مدیر
نورالحسن راشد کاندھلوی

معاون انتظامی اعزازی : وصی سلیمان ندوی

زرِ تعاون	ہندوستان میں	فی شمارہ:	سالانہ:	رجسٹری کے ذریعہ:
	افراد سے:	بیس روپے (20/-)	پچھتر روپے (75/-)	فی شمارہ: دس روپے مزید
	لائبریریوں کے لئے:	چالیس روپے (40/-)	ایک سو پچاس روپے	مزید فی شمارہ دس روپے
	بیرونی ملکوں سے:	پانچ ڈالر ($5)	بیس ڈالر ($20)	فی شمارہ پانچ ڈالر ($5) مزید

فون: ۳۶۹-۱۳۱۸۶-۰

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُنْشِی الْخَلْقِ مِنْ عَدَمٖ

ثُمَّ الصَّلٰوۃُ عَلَی الْمُخْتَارِ فِی الْقِدَمٖ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

بوصیری

اداریہ

آغاز سفر

(ضرورت، مقاصد اور منصوبے)

اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم سے اس شمارہ کے ذریعہ ایک نئے دینی، علمی، تاریخی مجلہ سہ ماہی "احوال و آثار" کی اشاعت کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس رسالہ کی ضرورت، مقاصد اور ترتیب و اشاعت کے متعلق چند گذارشات درج ذیل ہیں:

برصغیر (ہند، پاکستان، بنگلہ دیش) میں خدمتِ دین و شریعت اور تعلیماتِ قرآن و حدیث کے فروغ و اشاعت کے لئے متواتر جدوجہد کی روایت و تاریخ بہت پرانی ہے، تقریباً اتنی ہی پرانی جس قدر برصغیر میں مسلمانوں کے ورود و نزولِ اسلام کی پذیرائی کی تاریخ، برصغیر میں مسلمانوں کی آبادی کے ابتدائی عہد سے عصر حاضر تک کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں برصغیر کے علمائے کرام اور خادمانِ قرآن و سنّت کی دینی فرمانروائی کا سکہ رواں، ان کی خدا ترسی اور خدا شناسی کا غلغلہ بلند اور ان کے درس و افادہ کے حلقے معروف و محترم نہ رہے ہوں، مگر خدمت دین کی یہ روایت، ارشاد و تذکرہ کا یہ عمل اور درس و افادہ کی یہ محفلیں کسی ایک خاندان کی خصوصیت، کسی ایک علاقہ کا امتیاز اور کسی ایک دور کی پہچان نہیں تھیں بلکہ ہر زمانہ میں، ہر دور میں یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا، کبھی کسی خطہ کے علماء کو اس سعادت سے نوازا گیا، کبھی کسی اور خاندان کسی اور بستی کو یہ عزت بخشی گئی، مگر بعض علاقے، بعض خاندان اور بعض بستیاں ایسی بھی تھیں کہ ان پر یہ رحمت کا سایہ اور خدمتِ علم و دین کی سعادت و توفیق ہمیشہ جلوہ فگن رہی اور ان بستیوں و علاقوں کی معلوم

اسلامی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جب ان خطوں اور علاقوں میں علم ومعرفت کے زمزمے خاموش، ذکر وتلقین کے ہنگامے سرد اور تعلیم وافادہ کی محفلیں سونی ہوگئی ہوں، یہ تو ضرور ہوا کہ کبھی کسی ایک بستی کے ارباب فکر وعمل سر بلند ہوئے، کبھی کسی اور بستی سے دین وشریعت کی ہوائیں چلیں، کبھی کسی قصبہ سے تسبیح واذکار کے نغمے فردوسِ گوش ہوئے، کبھی کہیں اور علم وہدایت کے چراغ روشن نظر آئے، کبھی یہاں اخلاق وتربیت کا گلستاں مہکا، کبھی وہاں تعلیم وتربیت کے پھول کھلے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ یہ تمام خطے اور تمام علاقے ان دلکش صداؤں سے محروم اور خدمتِ دین کے یہ سلسلے یک تحت معدوم ومنقطع ہوگئے ہوں۔

ایسے ہی علاقوں میں سے ایک علاقہ وہ ہے جو دہلی کے شمال مشرق میں مغربی یوپی کے اضلاع سہارنپور ومظفرنگر کا ایک حصہ ہے اور دریائے گنگا وجمنا سے ملا ہوا ہونے کی وجہ سے گنگا جمنا کا دوآبہ کہلاتا ہے، یہ خطہ اپنے محلِ وقوع، بعض جغرافیائی طبعی خصوصیات، زرخیزی، پیداوار اور قدرتی وسائل کی فراوانی نیز بعض سیاسی محرکات، معرکہ آرائیوں اور انقلابات کی وجہ سے بھی برصغیر کے اہم مقامات میں شمار کیا جاتا ہے مگر اس کا یہی ایک امتیاز اور خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس خطہ کی اصل شناخت اور امتیاز اس خطہ کے وہ علماء، صوفیاء، مصلحین اور وہ خادمانِ دین وملت ہیں جن کی دینی، علمی واصلاحی خدمات اور متواتر بے لوث جدوجہد کے آثار برصغیر کی دینی تاریخ میں اس طرح نقش ہیں کہ ان حضرات کے احوال وتذکروں کے بغیر برصغیر کے علماء اور دینی خدمات کا ہر اک جائزہ ناتمام اور ہر مطالعہ ناقص ہے، خصوصاً بارہویں صدی ہجری (حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ذاتِ گرامی) سے عصرِ حاضر تک برصغیر کے تمام علمی دینی سلسلوں، تعمیری اصلاحی کارناموں اور رشد وہدایت کے سلسلوں کا اس نواح کے اربابِ فضل وکمال اور مشائخ وصوفیاء سے ایسا گہرا تعلق ہے جس کو نظرانداز کردینا ممکن ہی نہیں، جب کبھی اس عہد کے کاملین وواصلین کا ذکر ہوگا، اس خطہ کے برگزیدہ اصحاب کی ضرور یاد آئے گی اور ہماری ملی تاریخ کے بعض عنوانات تو ایسے ہیں کہ ان کی تمام تر زندگی وصراحت اس خطہ کے علماء

کے دم سے تھی، اور ان بزرگوں کا ذکر کرتے ہوئے بلاتامل یہ کہا جاسکتا ہے کہ:

ان کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

خصوصاً آخری دور میں تو یہاں اخیار وابرار کی ایسی کثرت ہوئی اور علم ومعرفت کا فیض ایسا عام ہوا کہ اس کے فوائد وثمرات سے پوری دنیا کے مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا۔ ان کی برکت سے پوری دنیا میں علم وافادہ کے چشمے رواں ہوگئے اور ان کے فوائد وثمرات ہند وپاکستان کے گوشہ گوشہ میں بطورخاص محسوس کئے جارہے ہیں۔

اس خطہ میں مسلمانوں کے وارد اور آباد ہونے کی تاریخ بہت قدیم ہے اور یہاں کے علماء اور اہلِ فضل وکمال کی علمی دینی خدمات اور مراکز اصلاح وتربیت کے قیام کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس نواح میں اس وقت بھی مسلمان موجود اور قیام فرماتھے جب چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں سلطان محمود غزنوی نے میرٹھ پر یلغار کی اور اس خطہ کے بعض مقامات فتح کئے اور بعض قدیم تحریرات سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ خود سلطان محمود کے بعض رفقائے لشکر نے بھی یہیں رختِ سفر کھول دیا تھا اور تھانہ بھون یا اس کے ملحقہ علاقہ کو اپنا وطن ومسکن قرار دے کر خدمتِ اسلام سرانجام دی۔ اگر یہ روایات صحیح ہیں تو گویا اس خطہ میں تقریباً ایک ہزار سال سے مسلمان موجود ومقیم ہیں۔

قرینِ قیاس ہے کہ جب اوّل اوّل مسلمان یہاں آئے ہوں گے تو ان کی تعداد قلیل اور اثرات محدود ہوں گے مگر جیسے جیسے وقت گزرتا رہا، قافلہ مسلمین کے قدم بڑھتے گئے اور رفتہ رفتہ ان کی جماعت وجمعیت میں اضافہ اور ان کی علمی اصلاحی جدوجہد کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور یہی اس خطہ کے سفر اصلاح ومعرفت اور دینی روایات کا سرِ آغاز ہے۔

افسوس اور نہایت محرومی کی بات ہے کہ ہمیں ان بزرگانِ دین اور رہروانِ راہ ہدایت کے صحیح نام اور حالات معلوم نہیں جن کے ذریعہ سے یہ خطہ نورِ اسلام سے منوّر اور نغمہ توحید سے آشنا ہوا، ان بزرگوں نے ہر قسم کے دنیاوی منافع بلکہ نقصان وخطرات سے صرفِ نظر فرماکر یہاں اسلام کے کمزور پودے کو اپنے لہو سے سینچا، اپنے جسم کے سایہ میں

لے کر اس کو زمانہ کے ہر سرد و گرم سے بچایا اور اپنی زندگی کا ایک ایک سانس قربان کر کے اس کو اس شان سے پروان چڑھایا کہ بفضلہ تعالیٰ آج کروڑوں انسان اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں سفرِ حیات طے کر رہے ہیں، ہر چند کہ ہمیں ان کے نام معلوم نہیں مگر بلاشک وشبہ اس دور سے اس دور تک یہاں کے تمام علماء اور جملہ اہلِ ایمان کی حسنات میں ان کا برابر کا حصہ ہے جو تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔ فجزاہ اللہ عنا وعن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

ابتدائی دور کے بزرگوں میں یقیناً کئی ایک علم و روحانیت کے امام اور دنیائے اسلام کے برگزیدہ علماء واصفیاء کے پروردہ اور فیض یافتہ ہوں گے، اور متعدد ایسے بھی ہوں گے جن سے بہت لوگوں نے علم کا سُرور اور عرفان کا کیف حاصل کیا ہوگا مگر ہمیں ان میں سے کسی کا بھی نام ونشان معلوم نہیں، اس خطہ میں مدفون قدیم ترین بزرگ جن کا بعض ذرائع سے علم ہوتا ہے، نواح شہر سہارنپور میں دفن ہیں، ان کے مزار پر نصب کتبہ میں سنہ وفات ۴۴۸ھ کندہ تھا، اس کے بعد دوسرے شخص جو بہت ممتاز و معروف ہیں حضرت سید محمود سبزواری (شہادت محرم ۵۸۲ھ - جنوری ۱۱۹۲ء) دفین جھنجانہ ہیں، جنھوں نے دریائے جمنا کے مشرقی کنارہ پر آباد متعدد قصبات کو جہاد کے ذریعہ سخر کر کے یہاں مسلمانوں کے باعزت جینے کا سروسامان کیا۔

ان بزرگانِ والامراتب کے روحانی سلسلوں اور مستفیدین کا ہمیں علم نہیں، لیکن ان کے توسط سے خداترسی وخداشناسی کا جو چراغ اس خطہ میں روشن ہوا تھا اسی کا اثر ہے کہ بعد کے دور میں یہاں سلسلۂ قادریہ کو بھی اعزاز واختصاص نصیب ہوا۔ سہروردیہ کو بھی مقبولیت وپذیرائی نصیب ہوئی، چشتیہ نے تو ایسے مضبوط قدم جمائے کہ آج تک ان کے نقشِ قدم مشعلِ راہ بنے ہوئے ہیں۔

چشتیہ کو زمانۂ قدیم سے اس علاقہ سے خاص مناسبت رہی ہے، خواجۂ خواجگان حضرت شیخ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی اور حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ شیخ دانیال قطری اس نواح میں تشریف لائے تھے، اس کے بعد سلسلۂ چشتیہ کے تقریباً سب

ہی بزرگوں کی نگاہ کرم اِدھر متوجہ رہی۔ حضرت بابا فریدؒ کے خلیفۂ عالی مقام حضرت علی احمد صابرؒ اور ان کے مسکن و مدفن کلیر سے کون ناواقف ہے، جو زیارت گاہ خلائق ہے۔

سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا یہیں سے آغاز ہوا، مشائخ قدوسیہ کا منبع و مسکن یہی علاقہ ہے، سلسلۂ قادریہ کے ممتاز مشائخ شیخ عبدالرزاق جھنجانویؒ اور ملا ملوک شاہ چرتھاولیؒ کی زادبوم اور مدفن یہیں ہے، مخدوم عبدالاحد سرہندیؒ اور ان کے فرزند والامقام حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعدد اہم خلفاء اسی علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں، شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء اور شیخ جلال تھانیسریؒ کے مختلف اہلِ خاندان اور مجازینِ بیعت اسی علاقہ میں مقیم تھے اور یہیں آرام فرما ہیں۔ مشہور عالم، مرشد و مصنف شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ کے اجازت یافتہ اور شاگرد مولانا محمد شریف جھنجانویؒ کی یہی جائے قیام تھی، یہیں وفات ہوئی، ان کے علاوہ مشکل سے کوئی معروف سلسلۂ ارشاد و تلمذ اور کوئی عالم و مرشد ایسے ہوں گے جن کے شاگرد اور مسترشدین یہاں جلوہ فرما نہ ہوں اور یہاں ان سے رجوع اور تلمذ و استفادہ نہ ہوا ہو۔

نیز یہی خطہ اس مردِ جلیل کی جائے پیدائش، مسکن اور اس کے بے پناہ علوم و کمالات کا منبع و مخرج ہے جس نے دنیائے اسلام سے اپنے عظمت و کمال کا لوہا منوایا اور یہ کہنے پر مجبور کیا کہ متاخر دور میں بھی ہندوستان میں ایسے سرآمد روزگار فخر اسلام علماء موجود تھے جن کی عظمت کے سامنے خود تاجِ علم سرنگوں ہے اور جن کو قلم کی تقدیس جھک جھک کر سلام کرتی ہے اور جن کے متعلق بڑے بڑے بالغ نظر مؤرخ و نقاد نہایت مسرت کے ساتھ یہ لکھتے ہیں کہ ان کی رفعتِ پرواز اور دقیقہ سنجیوں کے سامنے امام غزالی و رازی کے کارنامے ماند پڑ گئے، جن کی وجہ سے یہی نہیں کہ علم کا وقار و اعتبار بڑھا اور امت کے علماء کو فکر و بصیرت کے بے شمار لعل و گہر اور ایسے نئے نئے راستے نصیب ہوئے جن کے ذریعہ سے برصغیر (ہند و پاکستان وغیرہ) میں اسلام کا احیاء ہوا، جن کے قلمِ حقیقت رقم سے اسرارِ قرآنی عام ہوئے اور جن کی کوششوں سے اس خطہ بلکہ دنیائے اسلام میں خدمتِ حدیث، اشاعتِ حدیث اور فہمِ حدیث کی ایک ایسی حسین زیبِ نظر راہ کھلی جس کا ابھی

تک کسی کو علم نہیں تھا۔ انھیں کے فیضِ قدوم سے گلی گلی علم کا چرچا ہوا اور انھیں کے نقشِ پا امت کے لئے مینارہ نور اور ہادیٔ طریق ہیں، میری مراد حجت اللہ فی الارض، امام ہمام فخر اسلام حضرت شاہ ولی اللہ (احمد بن عبدالرحیم)ؒ ہے، جو پھلت میں ۱۱۱۴ھ میں تولد ہوئے اور ۱۱۷۶ھ میں دہلی میں واصل بحق ہوئے۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔

بلاشبہ حضرت شاہ صاحب کی حیثیت میرِ کارواں کی ہے کیونکہ برصغیر میں گذشتہ تقریباً ڈھائی سو سال سے جو کاروانِ علم و دین سرگرمِ سفر ہے اور ہند پاکستان وغیرہ کے اکثر علاقوں میں احیائے دینِ متین، اتباعِ شریعت وسنت، علوم اسلامی کی حفاظت تعلیم اور اشاعت، نیز مدارسِ اسلامیہ کا جو وسیع کثیر سلسلہ جاری ہے، علم وعمل کی جامعیت کا جو ذوق پایا جاتا ہے اور اصلاح وتربیت کے جو ادارے مصروفِ عمل ہیں، یہ سب حضرت شاہ صاحب کی تحریک تجدید کا اثر اور اس شجرۃ الاقدر کا ثمر ہے جس کی شاہ صاحب نے بنفسِ نفیس آبیاری فرمائی تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریک فروغِ علم قرآن وحدیث ہو، تحقیق اختلاف و اجتہاد ہو یا دسترخوانِ رشد وہدایت، ہر اِک کا عروج وفروغ اسی خطہ کے افراد سے ہوا، خود شاہ صاحب یہیں تولد ہوئے، یہیں ایام طفولیت گزارے، یہیں شاہ صاحب کے برادرِ عزیز شاہ اہل اللہ تولد ہوئے، یہیں زندگی بسر فرمائی، یہیں شاہ ولی اللہؒ کے عزیز ترین ہم سبق، دوست، خلیفہ مجاز اور رازدار شاہ محمد عاشق مقیم رہے، یہیں شاہ صاحب کے ننہیال واجداد کی بود وباش تھی، اسی کے قریب (بڈھانہ مظفرنگر میں) شاہ صاحب کے کچھ اور اعزا نیز بعض محبوب شاگرد (شاہ نور اللہ وغیرہ) قیام پذیر تھے، ان گوناگوں نسبتوں کی وجہ سے پھلت اور اس کے اطراف وجوار ہمیشہ شاہ صاحب کی قلبی توجہ اور دعاؤں سے مالامال رہتے تھے، جب دہلی اور آس پاس کے علاقوں پر کوئی آفت آتی تو شاہ صاحب کو اپنے وطن اور اس کی نواحی بستیوں کی فکر ستاتی، جب اس علاقہ کو کوئی خطرہ درپیش ہوتا شاہ صاحب سراپا دعا وتوجہ بن جاتے اور عافیت وامن کے دنوں میں بھی ہمہ وقت اس علاقہ کے لئے دست بدعا رہتے، بہ ظاہر یہ انہی دعاؤں کی قبولیت وتاثیر اس خطہ کے

روشن مستقبل کی ضامن بنی، اور انہی دعاؤں کا صدقہ ہے کہ یہ علاقہ یہ بستیاں بعد کے دور میں برصغیر کی علمی تعلیمی دینی اصلاح کا مرکزِ نگاہ، روحِ رواں اور دھڑکتا ہوا دل بن گئی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی ذات والاصفات، ان کے فرزند، ان عالی تبار تلامذہ کرام اور محبین و مستفیدین کی یہاں موجودگی اور فیض مابی کے علاوہ بھی مختلف پہلوؤں سے اس علاقہ کو منجانب اللہ معزز و سرفراز فرمایا گیا ہے۔

حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ کے منصوبۂ اصلاح وجہاد کی اصل نوعیت اسی خطہ میں پہنچ کر واضح ہوئی، اسی خطہ کے اصحاب نے سب سے پہلے سید صاحب کا دامن پکڑا، وہی اس تحریک کے دست وبازو بنے، انھوں نے ہی اول اول اس سادہ خاکہ کو اپنے لہو سے لالہ رنگ فرمایا، یہیں سے صدیوں کے بعد سب سے پہلے مجاہدینِ اسلام کا سربکف قافلہ روانہ ہوا، یہیں سے حضرت سید صاحب کو شاہ محمد اسماعیلؒ اور مولانا شاہ عبد الحیؒ جیسے نائب و مشیر میسر آئے، اسی نواح سے مولانا محمد یوسف پھلتیؒ، حافظ مصطفیٰ جھنجانوی کاندھلویؒ اور میاں جی احسان اللہ بڈھانویؒ جیسے ثابت قدم رفیق ملے۔

اسی خطہ میں حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ نے فکرِ ولی اللہی کو پروان چڑھانے نیز حضرت شاہ عبد العزیزؒ اور سید احمد شہیدؒ کے نظریات کی تعلیم و اشاعت کا وسیع کارنامہ انجام دیا، یہیں حضرت میانجیو نور محمد جھنجانویؒ نے سفرِ معرفت طے فرمایا، یہیں حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ نے زہد واتقاء میں حضرات صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی سیرت طیبہ کی عملی جھلک اور صدق واخلاص کے غیر معمولی نمونے پیش فرمائے، یہیں حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کے مایۂ ناز شاگردوں، مولانا نور الحسن کاندھلویؒ، مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ، مولانا امین الدین کیرانویؒ اور مولانا سبحان بخش شکارپوریؒ نے مسند علم بچھائی، یہیں شاہ صاحب کے ایک اور برگزیدہ شاگرد حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے حدیث شریف کی اہم ترین بنیادی کتابوں کی تصحیح، تحقیق اور اشاعت کی داغ بیل ڈالی، یہیں حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ مہاجر مکی کا دریائے فیضان و معرفت رواں ہوا، یہیں کے چند نامور علماء حضرت حاجی صاحب کے خلفائے عظام میں سرِفہرست رہے، اسی خطہ

سے وہ فردِ فرید (حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ) اٹھا جس نے سخت خطرہ کے وقت اور نہایت نازک حالات میں اسلام کو دشمنوں کے نرغہ سے نکالا اور گویا برصغیر میں مسلمانوں اور اسلام کو حیاتِ تازہ عطا کی۔

یہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے انفاس طیبہ سے علم کی وہ اشاعت وترویج ہوئی جس کی نظر مدت سے نایاب تھی، ان دونوں بزرگوں کے موئے قلم اور زبان فیض ترجمان سے حدیث، فقہ، تفسیر اور کلامیات کے ایسے ایسے موتی لٹے اور ایسے ایسے نکتے عام ہوئے کہ بڑے بڑے علماء انگشت بدنداں اور سرنگوں رہ گئے، یہیں سے آخری دور میں علوم اسلامی خصوصاً تفسیر، حدیث، فقہ اور متعلقہ فنون کی تعلیم وتفہیم جلوہ گاہِ خاص وعام ہوئی، یہیں سے دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور نیز ان سے وابستہ اور ان کے فیض یافتہ وپرداختہ مدارسِ اسلامیہ کے ذریعہ سے علم کی وہ بارش برسی اور وہ فیضان ہوا کہ ہر شخص شاداب وسرشار ہوگیا۔

یہیں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے جرأت وقربانی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جانسوزی وجانفشانی اور تدبر وفراست کا وہ نمونہ پیش فرمایا جس کی اس دور میں کوئی نظیر نہیں، یہیں سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تعلیمات تصوف کی تجدید اور برصغیر کے مسلمانوں کی ہمہ جہت اصلاح ورہنمائی کا ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دیا جس کی ماضی قریب میں کوئی مثال نہیں، یہیں سے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے اس دینی جدوجہد (سلسلہ تبلیغ) کی ابتدا فرمائی جو آج پوری دنیا میں پھیلی ہوئی، مؤثر طاقتور دینی جدوجہد ہے، علاوہ ازیں اس خطہ کے سینکڑوں علماء اور اکابر واصفیاء ہیں جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے انداز میں اہم دینی علمی اصلاحی خدمات سرانجام دیں اور بعد والوں کے لئے روشن راہ عمل چھوڑ گئے، کس کس کا ذکر کیجئے، کس کس کے نام شمار کرائیے، کیوں کہ اس خطہ کے جن افاضل اور علماء کے نام ناچیز راقم سطور کو معلوم ہیں انہی کی فہرست اتنی بڑی ہے کہ پیشِ نظر شمارہ کے کل صفحات بھی اس کے لئے کافی نہیں، اس لئے اس روداد کو یہیں تشنہ وناتمام ختم کیا جاتا ہے:

حسن ایں قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد

ان سب بزرگوں اور اہلِ کمال کا درج ذیل قصبات اور بستیوں سے تعلق ہے جو ضلع سہارنپور و مظفرنگر کے تحت مغربی یوپی میں شامل ہیں۔ ضلع سہارنپور سے وابستہ وملحق مقامات یہ ہیں:

انبیٹہ، دیوبند، سرساوہ، سہارنپور، رام پور (منہیاران) رائے پور اور گنگوہ وغیرہ۔

اور ضلع مظفرنگر کے تحت یہ مقامات آتے ہیں:

بابری، بڈھانہ، بڈولی، بگھرہ، پھلت، پورقاضی، تھانہ بھون، جانسٹھ، جلال آباد، جھنجانہ، چرتھاول، حسین پورکلاں، کھتیرمی، سیکری، شاملی، شاہ پور، شکارپور، شورم، غوث گڑھ، کاندھلہ، کیرانہ، مظفرنگر، منگلور، لوہاری وغیرہ۔

انہی بستیوں کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی کا یہ قول ہے کہ:

"ان اطراف کے قصبات و دیہات سے جس قدر علمائے کاملین اور صلحائے متقین پیدا ہوئے، اس دور میں اس ملک کے کسی خطہ میں پیدا نہیں ہوئے۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کی تصدیق مشاہدہ سے صاف نظر آتی ہے۔"

نیز اس خطہ کی تاریخ کا یہ پہلو بھی نہایت اہم اور ناقابلِ فراموش ہے کہ دسویں صدی ہجری سے اس وقت تک برصغیر میں جو نمایاں علمی، تصنیفی کام ہوا ہے اس میں اس علاقہ کے علماء کا خاصا نمایاں حصہ ہے، مزید برآں یہ کہ برصغیر کے علماء کی مصنفہ وہ کتابیں جن پر پورے برصغیر بلکہ عالمِ اسلام کو فخر ہے اور عالمی اسلامی کتب خانہ اپنی بے مثال وسعت و ثروت کے باوجود ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور ان موضوعات پر یہی کتابیں پوری دنیا میں مرجع اور سند سمجھی جاتی ہیں اور ، بفضلہ تعالیٰ ان تینوں کے مصنفین کرام کا اسی خطہ سے تعلق ہے۔

ان میں سے دو کتابیں تو تقریباً ہم عہد ہیں، ان میں اولیت زمانی غالباً قاضی محمد اعلیٰ تھانوی (وفات ۱۱۹۱ھ) کی کشاف اصطلاحات الفنون کو حاصل ہے، اس کے زمانہ تکمیل میں یا اس کے معاً بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ البالغہ لکھی گئی، اس قسم کی

تیسری کتاب جس کے بے مثل ہونے میں دو رائے نہیں ہے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی رد عیسائیت میں شہرہ آفاق تصنیف اظہار الحق ہے۔ اس فہرست میں ایک کتاب اور بھی شامل کی جاسکتی ہے جو اگرچہ عام ضرورت اور عالمی استفادہ کے لحاظ سے پہلی تینوں کتابوں کے ہم پایہ نہیں ہے تاہم دنیائے سلوک و معرفت میں اس کی غیر معمولی قدر ومنزلت ہے اور اس کو بھی علمائے ہند کے ممتاز کارناموں میں شمار کیا جاسکتا ہے، یہ نادر تحفہ اختتام یا تتمہ مثنوی مولانا روم ہے، جو حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ نے مرتب و مکمل فرمائی ہے، عالمی اسلامی ورثہ میں اس کی جو بھی حیثیت ہو مگر اس خطہ کے اکابر کے علمی کارناموں میں اختتام مثنوی کا تذکرہ سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔

جو خطہ اس پایہ کے علماء کی جلوہ گاہ رہا ہو اور وہاں آٹھ سو برس تک متواتر علمی روایت اور خدمت دین کی لگن زندہ وتابندہ رہی ہو اور جہاں ہر دور میں صف اول کے سالکین و مشائخ تشریف فرما رہے ہوں اور جس کی علمی تدریسی اصلاحی تصنیفی روداد ایسی وسیع اور شاندار ہو اس کا حق بلکہ فرض تھا کہ اس خطہ میں جگہ جگہ ان بزرگوں کی یاد میں ان کے دینی علمی مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے ان کے علوم، افکار و نظریات کی حفاظت تشریح و تفہیم، ان کی ترویج و ترقی اور ان کی نشر و اشاعت کے لئے چھوٹے بڑے متعدد ادارے قائم ہوتے، جہاں ان سب بزرگوں کی سیرت و خدمات ان کے کارناموں اثرات، ان کے ممتاز تلامذہ خلفاء اور اہم متوسلین و منتسبین کے متعلق اہم لوازمہ اور ضروری معلومات اکٹھی کی جاتیں، تحقیقی مطالعہ اور معتبر ماخذ و حقائق کی بنیاد پر ان کے احوال و سوانح مرتب ہوتے، ان کی زندگی کے چھوٹے بڑے اہم پہلوؤں پر مستقل مضامین لکھے جاتے، ان کی جملہ تصانیف، ملفوظات و مکتوبات اور متعلقہ سب گوشوں پر یادداشتیں اور جملہ متعلقہ علمی ذخیرہ یکجا کیا جاتا، ان کی کتابوں کی مختلف نسخوں کی مدد سے تصحیح اور مقابلہ ہوتا، ان کی رفتہ رفتہ اشاعت عمل میں آتی اور ان کے نام اور کام کو زندہ رکھنے کی اور اس کے بہترین اور مطابقِ سنت اجزاء کو عام کرنے کی کوشش کی جاتی، کیونکہ:

"نام نیکو رفتگاں ضائع مکن"

صرف ایک شاعرانہ خیال ہی نہیں بلکہ تمام حساس، باضمیر اور اہلِ دل اصحاب کے لئے ایک ہدایت اور پیام بھی ہے۔ یہ سب چیزیں شائع ہوتی رہتیں اور ان حضرات کے احوال و سوانح اور تعارف کا سلسلہ مستقل جاری رہتا تو امید کی جاسکتی تھی کہ ان کے علوم و تصانیف کا بڑا حصہ محفوظ ہوجاتا اور اس وقت موجود اور بعد میں آنے والی سعید طبیعتوں کو ان کی راہ پر چلنے کی ترغیب ملتی ان کے حوالہ سے خدمت دین کا جذبہ اور اتباع سنت کا ولولہ تازہ ہوتا اور یوں چراغ سے چراغ جلتے رہتے۔

مگر نہایت افسوس، نہایت رنج و ملال اور نہایت بدتوفیقی اور ناقدردانی بلکہ محرومی کی بات ہے کہ ایسے ادارے توکیا قائم ہوتے، ان کی دکھائی ہوئی بتلائی ہوئی صدق و صفا کی راہ توکیا عام ہوتی اب تو اس علاقہ میں ان بزرگوں، ان علماء و مشائخ اور ان کے دینی کارناموں کے صحیح طور پر جاننے والے بھی کم سے کم ہوتے جارہے ہوں گے اور معتبر واقفیت رکھنے والے تو شاید انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں اور مزید دکھ یہ ہے کہ موجودہ نوعمر نسلیں ان بزرگوں کے نام تک سے ناواقف ہیں، رہی سہی کسر موجودہ نصاب و نظامِ تعلیم اور ہندی کی ترویج و اشاعت نے پوری کردی ہے۔ اچھے اچھے خاندانوں کے افراد اور نامور بزرگوں سے براہ راست وابستہ اشخاص تک اپنے اجداد اور بزرگوں سے یکسر ناواقف، ان کی خدمات اور مقام و مرتبہ سے توکجا ان کے نام سے بھی ناآشنا ہیں اور بعض حلقوں میں تو یہ ناواقفیت اپنے اسلاف کی تنقید و تنقیص نیز ان کی خدمات اور تذکروں سے بیزاری تک پہنچ گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال نہایت تکلیف دِہ اور خطہ کے مسلمانوں کے مستقبل کے لئے نہایت خطرناک ہے، جو قومیں اپنے ماضی کو فراموش کردیتی ہیں اور اپنی تاریخ، روایات اور علمی ورثہ سے بے تعلق ہوجاتی ہیں ان کے نصیب میں مستقبل کی ناکامی اور گھپ اندھیروں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

خیال تھا کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے کوئی ادارہ اور ایسے اصحاب سرگرم عمل ہوں گے جو اللہ کے فضل و کرم سے علم کی دولت سے بھی مالامال ہیں اور دنیا کے وسائل بھی ان کی دسترس میں ہیں مگر کسی جانب سے کوئی صدا کوئی آواز نہ آئی اس لئے اب مفتی

الٰہی بخش اکیڈمی نے اس سمت میں کوشش کرنے، قدم بڑھانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس کوشش کے انشاء اللہ تعالیٰ متعدد پہلو ہوں گے جس کا آغاز سہ ماہی "احوال وآثار" کی اشاعت سے ہورہا ہے، اس کے علاوہ اس نواح کے اکابر و علماء خصوصاً امام ہمام حضرت شاہ ولی اللہؒ ان کے صاحبزادگان عالی مقام، اس کے قریبی وابستگان، حضرت مفتی الٰہی بخشؒ اور علمائے کاندھلہ نیز دیگر حضرات کی تحریرات وتصنیفات اور ان کے احوال و سوانح کی ترتیب کا ایک وسیع منصوبہ بھی زیر تجویز ہے جس پر کام ہورہا ہے، اور ان سب بزرگوں کی جملہ تصنیفات ان کے ترجموں، شروحات اور ان کے مصنفین پر اور ان کتابوں پر کسی بھی انداز میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے یکجا کرنے اور اس سے طلبہ، علماء، محققین کو استفادہ کی سہولت بہم پہچانے کے کام کا بھی بفضلہ تعالیٰ آغاز ہوچکا ہے (سال رواں میں اشاعت کے لئے جو کتابیں زیر تجویز ہیں ان کی تفصیلات اور متعلقہ بعض عنوانات کی وضاحت انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں درج ہوگی) یہاں رسالہ کے متعلق ایک دو ضروری باتیں قابل ذکر ہیں:

۱. اس منصوبہ کی ابتدا محرم الحرام سنہ ۱۴۱۴ھ سے متوقع تھی مگر رسالہ کی منظوری ملنے میں بہت وقت لگا اور دسمبر سنہ ۱۹۹۳ء (جمادی الآخر ۱۴۱۴ھ) کے پہلے ہفتہ میں منظوری ملی، مزید موخر کرنا فضول تھا اس لئے اب ماہ رجب شعبان رمضان (جنوری، فروری، مارچ) سے اس کا آغاز ہورہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ الشکر۔

۲. احوال وآثار کی سالِ رواں میں متوقع اشاعتیں ایک سو سولہ صفحات پر مشتمل ہوا کریں گی۔ پہلا شمارہ مقررہ ضخامت سے چند صفحات زائد ہے، آئندہ اشاعت سے یہ ضخامت مقررہ ضخامت کے مطابق ہوجائے گی۔

۳. اس شمارہ کو رمضان المبارک، فروری میں شائع ہونا تھا مگر کسی قدر تاخیر سے اب شوال مارچ میں چھپ رہا ہے۔

حضرات علمائے کرام اور اہلِ قلم سے گذارش ہے کہ یہ خدمت اور منصوبہ آپ سب حضرات کے مشوروں، رہنمائی اور تعاون کے بغیر روبہ عمل آنا دشوار ہے اس لئے

اپنے قیمتی مشوروں اور گراں قدر مضامین و نگارشات سے اس ناچیز خدمت میں تعاون فرمائیں۔ عرض صرف یہ ہے کہ مضامین غیر مطبوعہ ہوں۔

بعض کرم فرماؤں و دوستوں کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں اس قسم کے علمی کاموں اور سنجیدہ رسائل کی پذیرائی عام نہیں ہے اور عموماً ایسی کوششوں میں نقصان مایہ کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا، مگر ان مخلص دوستوں کے اس مشوروں کے باوجود یہ اقدام کیا جارہا ہے کیونکہ آوازِ جرس کی اسی وقت زیادہ ضرورت ہوتی ہے جب یارانِ قافلہ محوِ خواب ہوں، اور اصول یہی ہے کہ:

"نوا را تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی"

ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز حق تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال، بزرگوں کی دعائیں، سرپرست و رفیق، اہلِ علم کا تعاون معاونِ راہ اور قارئین کرام کا التفات اور خریداروں کی تعداد حوصلہ افزا رہی تو مشکلات کے باوجود یہ کشتی پار اتر جائے گی اور اسی توقع پر اس بڑے کام کا حوصلہ کیا ہے، دیدہ باید:

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفانِ موج افزا
بر افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرساہا

نورالحسن راشد
مولویان کاندھلہ مظفرنگر
۱۷ شوال المکرم

فضیلتِ قرآن ترجمہ فضلُ القرآن

تالیف: حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ

ترجمہ: نور الحسن راشد کاندھلوی

فضلُ القرآن، فضائلِ قرآن کریم، آداب تلاوت، تلاوتِ قرآن کریم کے اجر و ثواب اور اس کے متعلق عنوانات پر حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کی ایک نسبتاً مختصر مگر جامع تالیف ہے، مگر مؤلف کے احوال پر معلوم قلمی و مطبوعہ ماخذ، تذکرہ حضرت مفتی الٰہی بخش، تالیف مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کاندھلوی، سفینۂ رحمانی حکیم عبد الرحمٰن حیرت جھنجھانوی، نزہۃ الخواطر، مولانا حکیم سید عبد الحیؒ حسنی رائے بریلوی، حالاتِ مشائخ کاندھلہ مؤلفہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی وغیرہ، نیز ان کے علاوہ مفتی صاحب کی نسبت جو تحریریں اور یادداشتیں دریافت ہیں ان میں کہیں بھی فضلُ القرآن کا ذکر نہیں، لیکن اس کا ایک مکمل نسخہ خود حضرت مؤلف کے قلم سے مفتی صاحب کی متفرق تحریرات اور یادداشتوں کے ایک مختصر سے مجموعہ میں مجلّد ہے۔ راقم سطور نے اس مبارک و مفید تالیف کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے جو رمضانُ المبارک کی مناسبت سے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ اصل فارسی متن کی اشاعت آئندہ کسی اور موقع پر عمل میں آئے گی۔

ترجمہ کے مطالعہ سے پہلے چند وضاحتیں مناسب معلوم ہوتی ہیں:

(۱) حضرت مفتی صاحب نے یہ رسالہ ایک خاتون کی فرمائش پر قلم بند فرمایا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر اس میں ان خاتون کی صلاحیت و لیاقت کا خیال پیشِ نظر ہے۔ اس رسالہ میں نہ دقیق علمی مباحث ہیں، نہ احادیث شریفہ کے علاوہ اقتباسات اور حوالوں کی کثرت ہے نہ غیر متعلق امور پر توجہ فرمائی گئی ہے۔ قرآن کریم کی عظمت، اس کے حقوق کی محافظت و نگہداشت اور تلاوت کا شوق دلانے والی احادیث شریفہ ذکر کی گئی ہیں، تلاوتِ قرآن کے آداب اور تلاوتِ قرآن سے متعلق ضروری فقہی مسائل مختصر مختصر بیان کئے گئے ہیں۔ نیز ایک دو واقعات بھی درج ہیں۔

(۲) فضلُ القرآن میں جو آیاتِ مبارکہ آئی ہیں یا احادیثِ شریفہ نقل کی گئی ہیں حضرتِ مؤلف نے اکثر موقعوں پر ان کا ترجمہ فرمایا ہے، مگر غالباً خاص مخاطَب کی رعایت کی وجہ سے لفظی ترجمہ سے احتراز فرمایا ہے۔ کہیں حدیث کا مفہوم اپنے لفظوں میں درج کیا ہے، کہیں توضیحی ترجمہ فرمایا ہے۔ مترجم نے فی الوقت اسی ترتیب کی پیروی کی ہے، مگر آیاتِ کریمہ میں اکثر موقعوں پر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کا ترجمہ اور آیات کے حوالے حاشیہ پر نقل کردیئے ہیں۔

(۳) اکثر احادیث شریفہ اور مسائل فقہیہ کے حوالے ذکر نہیں کئے گئے تھے، مترجم کو ابتدائی تلاش میں جو حوالے اور ماخذ دستیاب ہوئے ان کا حاشیہ پر اضافہ کردیا ہے، جو حوالے اور توضیحات باقی ہیں اور اس ترجمہ بلکہ ترجمانی میں جو فروگذاشتیں رہ گئی ہیں، ترجمہ فضلُ القرآن کی کتابی صورت میں اشاعت کے موقع پر ان کی وضاحت و تصحیح کردی جائے گی۔ انشاء اللہ۔ (نور)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

(ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ ربّ العالمین کے لئے ہیں اور درُود ہو اللہ کے رسول، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل اولاد اور صحابۂ کرامؓ پر۔)

ہر سمجھدار ہوش مند انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ (آخرت میں) اپنی نجات (اور مغفرت) کا سامان اپنی زندگی میں تلاش کرلے، جبکہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (المائدہ /۲۵)

(ترجمہ: اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ۔)

اور نجات و مغفرت کے لئے سب سے مضبوط و مستحکم ذریعہ قرآن شریف ہے، کیونکہ قیامت کے دن گنہگاروں کی شفاعت کے لئے قرآن مجید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا اور چونکہ کبھی کبھی انسان کی طبعی سُستی وکاہلی کی وجہ سے (تلاوتِ قرآن کے تسلسل اور اس کے حقوق و آداب کی رعایت میں) کوتاہی ہوجاتی ہے، اس لئے برخورداری، سعادت آثار بی بی تنہا دختر قاضی قطب الدین خاںؒ مرحوم کی فرمائش پر قرآن کریم کی فضیلت اور تلاوت کلام پاک کے ثواب میں یہ مختصر سا رسالہ تالیف کیا ہے۔

معتبر احادیثِ شریفہ مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابوں سے، فقہی مسائل مطالبُ المومنین وغیرہ سے، آدابِ تلاوت، کیمیائے سعادت، مفتاح الجنان اور تنبیہُ الغافلین فقیہ ابُواللّیث سمرقندی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے انتخاب کرکے اس رسالہ میں درج کئے ہیں تاکہ یہ رسالہ متعدد مضامین اور بہت سے اہم فوائد کا جامع بن جائے اور شائقین کو مختلف کتابوں کی ورق گردانی کئے بغیر ان کا علم اور ان چیزوں سے واقفیت ہوجائے، اس کے پڑھنے سے ان کے دلوں میں تلاوتِ قرآن کا شوق پیدا ہو، نیز حق تعالیٰ کی یاد اور ذکر کی رغبت ہر مُسلمان کے دل میں پیدا اور راسخ ہوجائے۔ زندگی کے دنوں کو دُنیا کے فضول (بے فائدہ) کاموں اور اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والے معاملات میں ضائع نہ کرنا چاہیئے۔

جو بھی اس رسالہ کو پڑھے گا امید ہے کہ (اس کو انشاء اللہ تعالیٰ) قرآن شریف کی

تلاوت کی رغبت اور مسرت حاصل ہوگی اور زیادہ سے زیادہ تلاوت کا شوق پیدا ہوگا۔

میں نے اس رسالہ کو فضلُ القرآن کے نام سے موسوم کیا ہے، تاکہ اس خدمت کی فرمائش کرنے والی (فضیلت النساء عرف بی بی تنہا) کے نام کی جانب بھی اشارہ ہوجائے۔

وَاللّٰهُ المَوفِق وَالمُعِین وَعَلَیهِ التَّوَکّل وَبِهٖ نَستَعِین وَلَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ العَلِیِّ العَظِیم۔

آغازِ کلام

اللہ ربّ العالمین کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے دنیا میں ایک مضبوط ومستحکم دستاویز نازل فرمائی، یعنی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید عطا فرمایا تاکہ ہم اس کے وسیلہ سے ہمیشہ دین کے احکامات سنتے رہیں اور اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ کر اونچے سے اونچے مقامات (اعلیٰ علیین) پر چڑھ جائیں۔ انسان جو خاک کا پتلا ہے اگر چاہتا کہ اپنی کوشش سے عرشِ الٰہی تک رسائی حاصل کرلے تو یہ ممکن نہیں تھا، مگر اللہ تعالی کا (نہایت) احسان ہے کہ اس نے ہمیں تین چیزیں ایسی عطا فرمائی ہیں کہ ان میں سے ہر اک ذاتِ الٰہی کی پہچان کے لئے، اس کی قربت کے لئے بہترین سیڑھی ہے۔

اوّل: اسمِ ذات، لفظ اللہ ہے۔ جلّ شانہٗ! انسان جس وقت خلوصِ دل سے اللہ کو پکارتا ہے بیچ کے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں اور پکارنے والے کی آواز ایک منٹ میں دروازۂ قبولیت کو کھٹکھٹاتی ہے۔

دوم: لَاالٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ ہے۔ جب آدمی اس کلمہ کو دل کی گہرائیوں سے پورے یقین کے ساتھ کہتا ہے تو ایک لمحہ میں فرشتوں کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اور آناً فاناً اس کے دل کی سیاہی اور غفلت دور ہوجاتی ہے۔

سوم: قرآن شریف ہے، جب کوئی شخص اس کی تلاوت کرتا ہے تو اس وقت اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے، پس لوگوں کو چاہیئے کہ تلاوتِ قرآن کریم سے محروم نہ رہیں، زہے نصیب کہ اپنے مالک وآقا سے گفتگو کی سعادت میسّر رہے۔

امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ۔[۲]

(ترجمہ: میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، جب تک تم ان پر ثابت قدم رہو گے گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب (قرآن کریم) اور میری سُنتیں۔)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ، لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ، كِتَابُ اللهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَعِتْرَتِي وَأَهْلُ بَيْتِي، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَى الْحَوْضِ، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِي فِيمَا بَعْدِي۔[۳]

(ترجمہ: میں تمھارے درمیان دو چیزیں ایسی چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر ان کو مضبوط پکڑے رہو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے، ان میں سے ایک دوسرے کی نسبت عظیم المرتبہ ہے، ایک اللہ تعالی کی کتاب (قرآن شریف) ہے جو آسمان سے زمین تک (لٹکی ہوئی) ایک لمبی رسّی ہے۔ دوسرے میری اولاد اور میرے اہلِ بیت، یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر آجائیں گے۔

نیز جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ سَلَكَ عَلَى طَرِيقِي فَهُوَ آلِي۔[۴]

(ترجمہ: جو میرے راستہ پر چلا وہی میری آل ہے۔)

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ازواج محترمات اور صحابہ کرامؓ کے وسیلے سے قرآن پاک اور احکام شریعت کسی ترمیم وتغیّر کے بغیر ہم تک پہونچے ہیں، اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ قرآن پاک، احادیث شریفہ اور دین (کے صحیح طریقہ) پر چلنے والے سادات کے دامن میں پناہ حاصل کرے اور بزرگوں کے کلمات اور طریقۂ حیات کے مطابق زندگی گزارے۔

قرآن کریم کے فضائل اس قدر بے شمار ہیں کہ اگر سب کا تذکرہ کیا جائے تو اس

کے معمولی حصہ کے لئے بھی بڑی جلدیں ناکافی ہوں گی، امام غزالیؒ نے تفسیر سورۂ یوسف کے شروع میں قرآن کریم کے چند فضائل بیان کئے ہیں منجملہ ان کے یہ نادر واقعہ بھی ہے جو یہاں نقل کیا جارہا ہے[۵]

ایک امیر کبیر مال دولت والا تاجر تھا جو ہر سال دریا کا سفر کرتا تھا بے شمار منافع اور سامان کے ساتھ واپس آتا تھا، اتفاق سے ایک سفر میں اس کا جہاز تباہ ہوگیا اور اس کا سب ساز وسامان ضائع ہوگیا وہ تاجر ایک تختہ پر زندہ سلامت محفوظ رہا، وہ تختہ تیرتا ہوا ایک دُور دراز ملک کے ساحل پر پہنچا جہاں تاجر کی کوئی واقفیت اور شناسائی نہیں تھی مگر اس ساحل سے کچھ فاصلہ پر ایک بڑا شہر آباد تھا جس میں مسلمان رہتے تھے، تاجر کو اس شہر کے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو مسافروں خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ عنایت وکرم کا معاملہ رکھتا ہو اور اس کے امداد وتعاون سے وطن واپسی کا سامان ہوجائے۔

لوگوں نے ایک شخص کی نشاندہی کی اور بتایا کہ فلاں شخص نہایت حوصلہ مند اور کھلے ہاتھ کا ہے، جو مسافروں اور ہر ضرورت مند کی ضرورت کا سامان سرو کرنے میں اس طرح مصروف ہے جس کا الفاظ میں اظہار ممکن نہیں، تاجر نے اس شخص کا مکان دریافت کیا، وہاں پہونچا، اس کو اپنی سرگزشت اور مال واسباب کے غارت ہونے کی تفصیل سنائی اور درخواست کی کہ دو ہزار روپے قرض کے طور پر دے کر میری مدد کی جائے تاکہ میں اس کے ذریعہ سے ضروریاتِ سفر کا انتظام کر کے وطن واپس چلا جاؤں، مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، میں وطن پہونچتے ہی تمہارا قرض بھیج دوں گا، اس شخص نے جواب دیا مجھ سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے، یہ ہزار روپے لو اور تم نے جو سورۂ فاتحہ پڑھی ہے اس کا ثواب مجھ کو ہبہ کر دو اور اطمینان سے وطن واپس جاؤ۔

تاجر نے کہا تمھیں سخی کہا جاتا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کو ہزار ہا روپے دیتے ہو مگر مجھ سے معاوضہ طلب کر رہے ہو، یہ تمہاری ہمت اور حوصلہ کے شایانِ شان نہیں ہے، اس شخص نے جواب دیا، تمھیں اختیار ہے اگر چاہو صبح سے شام تک ہزار مرتبہ پڑھ لو، اس کا ثواب مجھے دینے میں کیوں رنجیدہ ہو، تاجر نے کہا تم خود اپنے

لئے پڑھ لو، مجھ سے کیوں ثواب طلب کرتے ہو، اس گفتگو سے تاجر بلآخر عاجز آگیا اور جب دیکھ لیا کہ وہ شخص سورۂ فاتحہ کے تبادلہ کے علاوہ رقم دینے کے لئے تیار نہیں ہے، تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ جگہ رہنے کے لائق نہیں ہے، ممکن ہے کہ سخت ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے میری طبیعت سورۂ فاتحہ کا ثواب معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوجائے، اس لئے جلد اس شہر سے نکل جانا چاہیئے، یہاں سے فوراً روانہ ہوجانا چاہیئے۔ تاکہ اپنے اس دینی نقصان سے بچا جاسکے، تاجر نے اسی وقت چلنے کا ارادہ کرلیا اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔

تاجر ابھی کچھ دور پہنچا تھا کہ ایک سوار ایک قیمتی گھوڑے پر دوڑتا ہوا، جس پر سونے کی زین کسی ہوئی تھی، اپنی طرف آتا نظر آیا۔ تاجر نے کہا اے شخص میں غریب آدمی ہوں، ایسی کوئی چیز میرے پاس نہیں جس کو تو لوٹ سکے، تو بے کار کوشش کر رہا ہے، اس آنے والے نے کہا، میں دینے کے لئے آیا ہوں، لینے کے لئے نہیں آیا۔

اس سوار نے وہ گھوڑا دو ہزار درہم کی تھیلی کے ساتھ تاجر کے حوالہ کیا اور خود واپس جانے کا ارادہ کرلیا، اس وقت تاجر کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ گھوڑا اور رقم اس سخی نے بھجوائی ہوگی، اس نے آنے والے سے پوچھ لیا، تمہیں اس سخی نے بھیجا ہے یا تم خود آئے ہو؟ آنے والے نے کہا، میں تیری سورۂ فاتحہ (کی صورتِ مثالیہ) ہوں، تو نے میرا جو احترام ملحوظ رکھا اور میرا ثواب دو ہزار روپے میں فروخت نہ کیا اس لئے میں نے چاہا کہ میں دنیا میں بھی تیری ضرورت پوری کروں اور آخرت میں تجھے جو اجرو ثواب ملے گا وہ اس سے کہیں زیادہ ہے، تاجر نے حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور وطن کے لئے روانہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے رفیقِ سفر بھی ہاتھ آیا اور ضروریاتِ سفر کا بھی انتظام ہوگیا۔

تلاوتِ قرآن کریم کی حق تعالیٰ کے یہاں عظمت واہمیت

ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن پاک کے پڑھنے کا کس قدر ثواب ہے اور قرآن

شریف کس طرح اپنے پڑھنے والوں کو گناہوں کے اثرات اور خطاؤں سے پاک کر دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے، فرمایا پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے:

ما اذن الله لعبد فی شیٔ افضل من رکعتین یصلیھما وان البر لیذر علی راس العبد مادام فی صلاته، وما تقرب العباد الی الله بمثل ما خرج منه یعنی القرآن[۶]

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ شانہ بندہ کی جانب کسی اور عبادت کے وقت اس قدر توجہ نہیں فرماتے جس قدر اس دو رکعت نماز میں متوجہ ہوتے ہیں جس کو بندہ (احکام ومسائل کی رعایت کے ساتھ خشوع اور اہتمام سے) پڑھتا ہے اور جب تک بندہ اخلاص کے ساتھ نماز میں مشغول رہتا ہے اس پر رحمتوں اور برکات کا نزول ہوتا رہتا ہے، اور بندہ کو کسی اور نیکی میں حق تعالیٰ کی ایسی قربت حاصل نہیں ہوتی، جس قدر قرآن کریم کی تلاوت (اور سمجھنے سمجھانے) سے ہوتی ہے۔

یہ اس لئے ہے کہ قرآن شریف حق تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفتِ ذات ہے اور ہر شے کی صفت اس کی ذات سے بے حد قریب ہوتی ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم کی تلاوت کے وقت حق تعالیٰ کی بندہ پر خاص نظر اور بے انتہا توجہ ہوتی ہے اس لئے چاہیے کہ روزانہ (کم سے کم) ایک سیپارہ کی تلاوت کو ضروری سمجھ لیں (اور اس کا مستقل معمول بنالیں) تاکہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی رحمت وعنایت کا سرمایہ متوجہ رہے۔

تلاوتِ قرآن سے متعلق چند ضروری مسئلے

مسئلہ: جو شخص قرآن شریف کی تلاوت نہیں کرتا بلکہ اس کو بستہ میں بند کئے طاق پر رکھے رہتا ہے، قرآن شریف حق تعالیٰ کے دربار میں اس کی شکایت کرے گا کہ اس شخص نے مجھے قید کئے رکھا، نہ خود پڑھتا تھا نہ کسی پڑھنے والے کے سپرد کرتا تھا، اس لئے ہر شخص کے واسطے ضروری ہے کہ کم سے کم آٹھ دس آیتیں روزانہ قرآن شریف میں دیکھ کر ضرور پڑھے تاکہ قرآن کریم اس کے حق میں کلماتِ خیر کہے۔

مسئلہ: مطالبُ المومنین میں لکھا ہے کہ غسل خانہ میں جانور باندھنے کی جگہ پر اور ایسے

مقامات پر قرآن شریف پڑھنا مکروہ ہے جہاں (گندگی اور) ناپاک پانی گرایا جاتا ہو۔ قرآن شریف کو پورے ادب واحترام، نہایت پاکی اور پاکیزگی کے ساتھ قبلہ رُخ بیٹھ کر پڑھنے سے بے شمار برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں[۸] (اور گندگی میں پڑھنے سے گناہ ہوتا ہے۔)

مسئلہ: تکیہ لگا کر یا کروٹ لے کر لیٹے ہوئے قرآن شریف پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، حق تعالی ارشاد فرماتے ہیں: "وَعَلٰی جُنُوْبِھِم" لیکن لیٹ کر تلاوت کے وقت پاؤں موڑ لینے چاہئیں[۸]

مسئلہ: تلاوتِ قرآن کے وقت دُنیا کی باتیں کرنا صحیح نہیں،[۹] اپنے آقا اور افسروں کی موجودگی کے وقت کسی اور سے بات چیت کرنا برا سمجھا جاتا ہے، اور جب حق تعالی شانہ سے رابطہ ہو اور مکالمہ قائم ہو اس وقت حق تعالی کے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ کرنا تو اور بھی برا ہے۔

مسئلہ: فقہا نے لکھا ہے کہ تلاوتِ قرآن بہت اچھے حال میں کرنی چاہیئے، پاکیزہ عمدہ لباس پہن کر، عمامہ باندھ کر (اور عورت دوپٹہ سر پر اوڑھ کر) قبلہ کی طرف رُخ کرکے تلاوت کرے۔ اس صورت میں زیادہ فضیلت اور زیادہ ثواب ہے، کسی خاص ضرورت اور مجبوری کی حالت میں جیسا بھی موقع ہو، گنجائش ہے[۱۰]

ہمیشہ بلا ناغہ قرآن شریف پڑھنے کو ضروری سمجھیں کہ قرآن شریف کی مسلسل تلاوت سے دل قرآنی طور طریقوں سے رنگین وخوش رنگ ہوجاتا ہے اور دل پر حق تعالی کی طرف سے نیا نور نازل ہوتا ہے اور انوارات کا یہ سلسلہ مضبوط ہوتا رہتا ہے۔

مسئلہ: قرآن شریف پڑھنے کے دوران جب جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آئے تو اس وقت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا ضروری نہیں، تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد اگر درود پڑھ لے تو بہت اچھا ہے اگر نہ پڑھے کوئی حرج نہیں[۱۱]

مسئلہ: قرآن شریف کی تلاوت کے وقت صرف سجدہ کی آیت کا چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایسے لوگوں کی موجودگی میں قرآن شریف پڑھنا مکروہ ہے جو پوری توجہ سے قرآن شریف نہ سن رہے ہوں، اپنی باتوں یا کام میں مشغول ہوں۔

مسئلہ: جامع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کا جلدی جلدی پڑھنا مکروہ ہے۔ اطمینان اور آداب کے ساتھ پڑھنا چاہیے، قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً. (المزمل : ۴)

(ترجمہ: اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف۔)

مسئلہ: جنابت اور حیض و نفاس کی حالت میں تلاوت صحیح نہیں۔[۱۲]

مسئلہ: سغناقی میں لکھا ہے کہ جنبی اور حائضہ کو بسم اللہ اور الحمد للہ دُعا کے طور پر پڑھنا جائز ہے، تلاوت کی نیت سے پڑھنا صحیح نہیں

مسئلہ: ظہیریہ میں ہے کہ اگر تلاوت کے دوران کوئی بڑا آجائے، وہ اگر باپ یا عالم یا استاد ہو تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کی اجازت ہے ورنہ نہیں[۱۳]۔ قنیہ میں ہے کہ اگر آنے والا لائقِ تعظیم ہو تو کھڑے ہونے میں کچھ حرج نہیں، مگر قرآن شریف کو کھلا نہ چھوڑے، اس پر کوئی کپڑا وغیرہ ڈالدے۔

مسئلہ: مؤلفِ شرعۃ الاسلام کہتا ہے کہ اگر قرآن شریف پڑھا پھر اس کو بھول گیا تو اس شخص کو (سخت) گناہ ہوگا اور آخرت میں عذاب دیا جائے گا،[۱۴] اور زندوسیہ میں آیا ہے کہ نبیُ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حفظ القرآن الکریم ثم نسیه جاء یوم القیامة وهو اجزم[۱۵]

(ترجمہ: جس شخص نے قرآن کریم حفظ کیا پھر (اپنی غفلت سے) اس کو بھلا دیا۔ وہ قیامت کے دن ہاتھ کٹا اٹھے گا۔)

مسئلہ: قرآن شریف کو بے وضو ہاتھ لگانا صحیح نہیں، زبان سے پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ: جامع صغیر کی شرح میں لکھا ہے کہ دو بوسے مستحب ہیں ایک حجر اسود کا، دوسرا قرآن مجید کا۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ صبح کے وقت قرآن شریف منگواتے

اور اس کو بوسہ دیتے تھے، اور فرماتے یہ میرے رب کا منشور (دستور اور ضابطہ) ہے۔

مسئلہ: حائضہ کے لئے قرآن مجید کو ایسے کپڑے سے پکڑنا، چھونا جائز ہے جو قرآن شریف سے بالکل الگ ہو، اس کے ساتھ جڑا ہوا یا سلا ہوا نہ ہو —— لیکن اپنی آستین یا پلو سے پکڑنا جائز نہیں، اس لئے کہ کپڑے پہننے والے کے حکم میں ہیں[۱۶] اور اکثر مشائخ کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے، بلکہ ممانعت صرف اس چھونے کی ہے، جو براہِ راست ہاتھ سے بلاواسطہ ہو جیسا کہ محیط میں لکھا ہے۔

مسئلہ: جنبی یا بے وضو شخص کے لئے صرف ہاتھ دھو کر قرآن شریف کو چھونا (صحیح قول کے مطابق) جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: قرآن شریف کی جانب پیر پھیلانا مکروہ اور بے ادبی ہے جیسا کہ مطالب المومنین میں لکھا ہے۔

مسئلہ: تلاوت ختم کرنے کے بعد نماز کے بعد اور اذان کے بعد دعا مستحب ہے اور جلد قبول ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر قرآن شریف اوپر کسی طاق وغیرہ میں رکھا ہوا ہو، نیچے لیٹے ہوئے اگر اس طرف پاؤں ہو جائیں، جہاں قرآن شریف رکھا ہے تو کچھ حرج نہیں ہے[۱۷]

مسئلہ: سفر کے دوران قرآن شریف کو سامان میں رکھ کر حفاظت کے خیال سے سر کے نیچے رکھ لیا جائے تو کچھ حرج نہیں، ورنہ مکروہ ہے۔

قرآن کریم کے چند فضائل اور برکات

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیرکم من تعلم القرآن وعلمه[۱۸]

(ترجمہ: تمہارے میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن شریف سیکھے اور سکھائے۔)

نیز فرمایا جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہارے میں سے کون چاہتا ہے کہ

اسکو تجارت میں روزانہ بڑے کوہان والے دو اونٹوں کا فائدہ ہو، صحابہؓ نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ اس بات کو تو ہم سب ہی پسند کرتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

افلا يغدو احدكم الى المسجد فيعلم او يقرأ آيتين من كتاب الله خيرله من ناقتين، وثلث خيرله من ثلاث، واربع خيرله من اربع[19]

(ترجمہ: پس تم کیوں مسجد کی طرف نہیں دوڑتے تا کہ کسی کو قرآن شریف کی دو آیتیں سکھاؤ یا خود پڑھو، دو آیتوں کا سیکھنا یا پڑھنا دو اونٹوں کے منافع سے بہتر ہے اور تین آیتوں کا تین اونٹوں سے بہتر اور چار آیتوں کا چار اونٹوں سے بہتر ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے:

الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذى يقرأ القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له اجران[20]

(ترجمہ: قرآن کریم کے ماہر کا نام عالی مرتبہ فرشتوں کے ساتھ شمار کیا جائے گا، اور جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں اٹکتا ہے اور اس میں مشقت برداشت کرتا ہے، (پھر بھی تلاوت کرتا رہتا ہے) اس کے لئے دُہرا ثواب ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل المومن الذى يقرأ القرآن مثل الاترجة ريحها طيب وطعمها طيب، ومثل المومن الذى لا يقرأ القرآن مثل التمرة لاريح لها وطعمها حلو[21]

(ترجمہ: اس مسلمان کی مثال جو (اہتمام سے) قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے، ترنج کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور مزہ بھی عمدہ ہے اور جو مسلمان قرآن کی تلاوت سے محروم ہے اس کی مثال کھجور جیسی ہے جس میں کوئی خوشبو نہیں مگر ذائقہ اچھا ہے۔)

یعنی جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو تلاوت قرآن سے غافل اور محروم ہے، اور جو شخص قرآن کریم پڑھنا جانتا ہے اور اس کو پڑھتا ہے گویا اس کی خوشبو بھی عمدہ ہے اور اس کا مزہ بھی خوب ہے، بخلاف اس مسلمان کے جو قرآن شریف کی تلاوت نہیں کرتا اس کا مزہ تو اچھا ہے مگر تلاوتِ قرآن کی مہک اس میں موجود نہیں۔

حدیث: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سعید بن المعلی[۲۲] کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا، کیا میں تمہیں قرآن کی سب سے بڑی سورت نہ سکھا دوں، عرض کیا ضرور تعلیم فرمادیجئے، فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بڑی سورت الحمدُ للہ ربّ العالمین ہے۔ آخر سورت، سات آیتوں تک اور فرمایا:

ھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتہ۔[۲۳]

(ترجمہ: یہ سات آیتیں ہیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں (یا مکرّر نازل ہوئی ہیں) اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا۔)

سورہ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی، ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اس وقت جب نماز فرض ہوئی، دوبارہ مدینہ طیبہ میں جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ قرآن عظیم میں:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ[۲۴]

سے یہی مراد ہے۔

حدیث: حضرت ابوامامہ[۲۵] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقرؤا القرآن فانہ یاتی یوم القیامۃ شفیعاً لا صحابہ۔[۲۶]

(ترجمہ: قرآن شریف پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرنے والا بن کر آئے گا۔)

روایت ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبَیّ بن کعب انصاری رضؓ سے پوچھا، اے ابومنذر! جانتے ہو کہ قرآن شریف میں کونسی آیت سب سے بہتر اور بلند مرتبہ ہے۔ اُبی بن کعبؓ نے عرض کیا، میرے خیال میں سب سے بلند مرتبہ آیت، آیت الکرسی ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر مسرت کے ساتھ ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور ان کے علم اور سمجھ کی آفرین فرمائی۔ یہ روایت مسلم اور مشکوٰۃ میں آئی ہے۔[۲۷]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ اکرمؐ نے فرمایا، کیا

تمھارے لئے ممکن نہیں کہ رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لیا کرو۔ عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ یہ کیسے ممکن ہے کہ شب میں ایک تہائی قرآن مجید کی تلاوت کریں، فرمایا: "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری و مسلم میں آئی ہے[۲۸]۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الم تر آیات انزلنا اللیلة لم یر مثلھن قل اعوذ برب الفلق قل اعوذ برب الناس[۲۹]۔

(ترجمہ: کیا تمھیں ان آیتوں کا علم نہیں، جو آج رات مجھ پر نازل ہوئیں، جو بے مثال ہیں، یہ آیتیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہیں۔)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پیغمبرِ خداؐ نے فرمایا:

ثلاثة تحت العرش یوم القیامة القرآن یحاج العباد، له ظھر وبطن و الامانة والرحم، تنادیٰ الاَ منْ وصلنی وصله الله ومن قطعنی قطعه الله[۳۰]۔

(ترجمہ: قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی ایک قرآن شریف جو لوگوں سے جھگڑے گا۔ (اور کہے گا تم نے مجھ پر کیوں عمل نہیں کیا، کیوں میری تلاوت سے غافل رہے اور جن لوگوں نے اس کے احکام پر عمل کیا ہوگا اور اس کی تلاوت کے پابند ہوں گے، ان کی نجات ومغفرت کے لئے کوشاں ہوگا اور خیال رہے کہ) قرآن شریف کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، دوسرے امانت اگر کسی شخص نے امانت میں خیانت کی ہوگی، وہ امانت قیامت کے دن خیانت کرنے والے کا دامن پکڑے گی، تیسرے رحم یعنی قرابت، جو آواز دے گی، خبردار جس نے میری رعایت کی ہوگی یعنی رشتہ داروں اور اہلِ قرابت سے صحیح تعلق رکھا ہوگا، ان کے حقوق ادا کئے ہوں گے اللہ تعالیٰ اس کی رعایت فرمائے اور جس نے مجھ سے ترکِ تعلق کیا ہو اللہ اس سے اعراض فرمائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ اکرم صلی علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ حرفاً من کتاب الله فله حسنة والحسنة بعشر امثالھا، لا اقول الم حرف، بل الف حرف، ولام حرف، ومیم حرف[۳۱]۔

(ترجمہ: جس شخص نے قرآن شریف کا ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملتی ہے اور ایک

نیکی کا ثواب دس گُنا ملے گا۔ (پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا) میں نہیں کہتا "الم" ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے۔)

اس طرح حرف "الم" پڑھنے سے تیس نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے، بخلاف برائی کے کہ وہ ایک ہی لکھی جاتی ہے۔

حضرت معاذ جہنیؓ سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قرأ القرآن وعمل بما فیه البس والداه تاجا یوم القیامة ضوءه احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا، لوکانت فیکم، فما ظنکم بالذی عمل بهذا[۳۲]

(ترجمہ: جس شخص نے قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والد کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی چمک دمک سورج کی اس روشنی سے بھی زیادہ ہوگی جو خاص تمہارے گھروں میں طلوع ہو، جب اولاد کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا پس تم خود اندازہ کرلو کہ خود قرآن شریف پڑھنے والے کا کیا مقام ومرتبہ ہوگا۔)

حدیث: حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن کریم کو یاد کرے، اس کے حلال کو حلال جانے اور اس کے حرام کو حرام سمجھے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے خاندان والوں میں سے ایسے دس شخصوں کے لئے اس کی سفارش قبول فرمائیں گے، جو گناہوں کی وجہ سے دوزخ کے مستحق ہوگئے تھے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں سُنَنِ ترمذی اور مسندِ امام احمد بن حنبلؒ کے حوالہ سے آئی ہے[۳۳]

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہر چیز کا ایک دِل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سُورۂ یٰسین ہے جو شخص ایک مرتبہ سُورۂ یٰسین پڑھتا ہے حق تعالیٰ شانہ دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا ثواب اس کو عنایت فرماتے ہیں[۳۴]

حدیث: حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن شریف میں ایک سورت ہے جس کی تیس آیتیں ہیں، یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی اس وقت تک سفارش کرتی رہے گی جب تک ان کو معافی ومغفرت (کا پروانہ) نہ مل جائے۔ یہ سورت تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ ہے۔ یہ روایت مشکوٰۃ میں امام احمد بن حنبلؒ کے حوالہ سے نقل

کی گئی ہے۔[۳۵]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سورت (تَبَارَکَ الَّذِیْ) دوزخ سے روکنے والی اور عذاب سے نجات دلانے والی ہے۔[۳۶]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورہ الم تَنْزِیْل اور تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ کی تلاوت نہ فرمالیتے تھے۔[۳۷]

حدیث: حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا زُلْزِلَتِ کا ثواب آدھے قرآن کے برابر ہے۔ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے، اور قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ کا ثواب گویا چوتھائی قرآن کا ثواب ہے۔[۳۸]

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ اکرمؐ نے فرمایا:

من قرأ کل یوم مائتی مرۃ قل ھو اللہ احد، محی عنہ ذنوب خمسین سنۃ الا ان یکون علیہ دین[۳۹]

(ترجمہ: یعنی جو شخص روزانہ دو سو مرتبہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھے، اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، مگر یہ کہ اس پر قرض ہو (یعنی قرض ادا نہ کرنے کا گناہ معاف نہیں ہوگا قرض کے لئے ادا کرنا ضروری ہے۔ ایک روایت میں پچاس مرتبہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔)

حدیث: جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن شریف میں نظر کئے بغیر صرف حافظہ سے تلاوت کرنے پر ہزار درجہ ثواب ہے اور قرآن شریف میں دیکھ کر پڑھنے کا اس سے دوگنا ثواب ہے۔[۴۰]

نیز فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی کثرت سے یاد اور قرآن کریم کی تلاوت دل سے غفلت کے زنگ کو دور کردیتی ہیں۔[۴۱]

فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء[۴۲]

(ترجمہ: سورہ الحمد ہر بیماری کے لئے شفا ہے۔)

حدیث: نیز فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

من قرأ سورة یٰس ابتغاء وجه الله تعالیٰ غفرله ماتقدم من ذنبه فاقرءواها عند موتاکم۔[۴۳]

(ترجمہ: جس شخص نے سورۂ یٰسین کی حق تعالیٰ کی رضا کے لئے تلاوت کی اس کے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اس لئے اپنے مُردوں کے پاس سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الا یستطیع احدکم ان یقرأ الف آیة فی کل یوم، قالوا ومن یستطیع ان یقرأ الف آیة، فی کل یوم، قال اما یستطیع احدکم ان یقرأ الهکم التکاثر۔[۴۴]

(ترجمہ: کیا تمہارے لئے یہ ممکن نہیں کہ روزانہ قرآن شریف کی ایک ہزار آیتیں پڑھ لیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا روزانہ ایک ہزار آیتیں تلاوت کرنے کی کون صلاحیت رکھتا ہے، فرمایا کیا تمہارے لئے یہ ممکن نہیں کہ روزانہ اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ لیا کرو۔ (یعنی ایک مرتبہ اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھنے کا ثواب ایک ہزار آیتیں پڑھنے کے برابر ہے۔)

قرآن شریف کے متعلق چند ہدایتیں اور تنبیہات

حدیث: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعاهدوا القرآن فو الذی نفسی بیده لهو اشدّ تفصیًا من الابل فی عقلها۔[۴۵]

(ترجمہ: قرآن کریم کی تلاوت پابندی سے کرتے رہو، میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قرآن شریف کا بھول جانا اس سے بھی کم وقت میں ممکن ہے جس میں کھلا ہوا اونٹ فرار ہوسکے۔ (یعنی اگر تلاوت کا مسلسل معمول نہ رکھا جائے تو قرآن شریف بہت جلد حافظہ سے نکل جاتا ہے۔)

حضرت سعد بن عبادہؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:

ما من امرء یقرأ القرآن ثم ینساه لقی الله یوم القیامة اجزم۔[۴۶]

(ترجمہ: جس شخص نے قرآن شریف حفظ کیا پھر (اپنی غفلت سے) اس کو بھلا دیا وہ قیامت کے دن حق تعالیٰ کے حضور ہاتھ کٹا حاضر ہوگا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الجاھر بالقرآن کالجاھر بالصدقة والمسر بالقرآن کالمسر بالصدقة. ۲۷

(ترجمہ: بلند آواز سے (سب کے سامنے) تلاوت کرنے والا ایسا ہے جیسا سب کے سامنے صدقہ دینے والا اور تنہائی میں قرآن شریف پڑھنے والے کا مرتبہ ایسا ہے جیسا خاموشی سے صدقہ دینے والے کا۔

حدیث: جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا اھل القرآن لا تتوسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوته من آناء اللیل والنھار وافشوہ وتغنوہ وتدبروا ما فیه لعلکم تفلحون ولا تعجلوا ثوابه فان له ثواباً. ۲۸

(ترجمہ: اے قرآن شریف پڑھنے والو، قرآن کو اپنا تکیہ مت بناؤ، یعنی قرآن مجید سے غافل نہ ہو اور اس کے پڑھنے (اور اس پر عمل کرنے میں) سستی نہ کرو، قرآن شریف کی اس طرح تلاوت کرو، دن رات میں اس طرح پڑھو جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ سیکھنے سکھانے کے ذریعہ اس کو عام کرو، اس کے معانی ومطالب میں غور وفکر کرو اور دلی مسرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرو، تاکہ دنیا وآخرت کی کامیابی تمھارے قدم چومے، نیز قرآن کی تلاوت کے اثرات اور ثواب کے دنیا میں طلب گار نہ بنو، اس میں جلدی نہ کرو، اس کا آخرت میں بے شمار اجر وثواب ہے، جو تمھیں عطا فرمایا جائے گا۔

حدیث: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

ما آمن بالقرآن من استحل محارمه ۲۹

(ترجمہ: وہ شخص درحقیقت قرآن شریف پر ایمان ہی نہیں لایا جو قرآن شریف کی حرام کی ہوئی چیزوں (باتوں) کو حلال سمجھے)

مسئلہ: ہر وہ چیز جس کو حق تعالیٰ شانہ نے حرام فرمایا ہے اس کے حرام ہونے کا (گہرا پختہ) یقین رکھنا چاہیئے، اور جس چیز کو حق تعالیٰ شانہ اور حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال فرمایا ہے اس کے حلال وجائز ہونے کا عقیدہ (ویقین) رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ حلال کو حرام جاننے اور حرام کو حلال سمجھنے سے کُفر لازم آتا ہے۔

معلوم ہوا کہ کلام اللہ شریف کو خوب سمجھ کر اور اس کے معانی ومطالب میں غور وفکر کرتے ہوئے پڑھنا چاہیئے۔ تاکہ قرآن کریم کا نور (تلاوت کرنے والے کے) باطن میں چمک جائے۔

تلاوتِ قرآن کے وقت حضرات صحابہؓ کی کیفیت

منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے:

اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.[۵۰]

تو اس کی ہیبت سے جسم میں کپکپی طاری ہوگئی، گر پڑے اور چالیس دن تک بیمار رہے، یہاں تک کہ لوگ ان کی عیادت کے لئے آتے تھے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ پوری رات یہ آیت شریفہ پڑھنے میں گزار دی:

اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ.[۵۱]

اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؒ اس آیت کو پڑھ کر پوری پوری رات روتے رہتے تھے:

وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ.[۵۲]

یعنی قیامت کے دن حکم جاری ہوگا کہ اے گنہگارو اور کافرو! مومنوں اور نیک لوگوں کی جماعت سے الگ ہوجاؤ، وہ وقت انتہائی پریشانی اور فکر کا وقت ہوگا کہ کس شخص کو کس گروہ میں شمار فرمایا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت کے لئے چند اور ہدایات وآداب

قرآن کریم اچھی آواز سے پڑھنا چاہیے (ایسا نہ ہو) کہ آواز کی خوبصورتی اور ترنم کسی دن اچانک ختم ہوجائے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ [۵۳]

یعنی اے لوگو! پرہیز کرو اور ڈرو اس دن سے جب تم حق تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگے۔ اس وقت بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو اس چیز کا جو اس نے کی ہوگی اور اس دن بندوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا، بلکہ ہر وہ شخص جس نے ایک جو کے برابر بھی نیکی یا برائی کی ہوگی اس کا اچھا یا برا بدلہ دیا جائے گا۔

ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ اے لوگو! قرآن شریف کو بہت اہتمام کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھو، کیونکہ مسلمان جنات میں سے چند جن اس کے سننے کا لطف لیتے ہیں، اور حق تعالیٰ سے گفتگو اور کلام کا حق بھی یہی ہے کہ وہ آہستہ، پوری حسنِ قرأت اور ترتیل کے ساتھ ہو۔

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ نے تنبیہُ الغافلین کے باب فضائلِ قرآن میں نقل کیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ قرآن شریف سفارش کرنے والا ہے، معاف کرانے والا ہے، خاص طور پر اپنے پڑھنے والوں کے لئے حق تعالیٰ شانہ کے حضور میں [۵۴] اور منقول ہے کہ اس کی شفاعت بھی ہوگی اور قرآن شریف کوشش کرنے والا تصدیق کرنے والا ہے۔ (یعنی اس شخص کے لئے بھی کوشش کرنے والا ہے جو قرآن نہیں پڑھتا، اس پر عمل نہیں کرتا لیکن) سچ بولنے والا اور دوسروں کے لئے اپنی کوششوں میں مخلص ہے۔

حدیث: جو شخص قرآن شریف حفظ کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے والدین سے عذاب اور گناہ کم کر دیتا ہے، چاہے وہ ماں باپ کافر ہی کیوں نہ ہوں [۵۵]

حدیث: حضرت معاذ بن جبلؓ نے روایت کیا ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُنیا میں تین چیزیں تین شخصوں کے لئے بے فائدہ ہیں، ایک وہ قرآن پڑھنے والا جو ظالم ہو، دوسرے مسجد اس علاقہ میں جہاں لوگ نماز نہ پڑھتے ہوں، تیسرے قرآن شریف اس مکان میں جہاں کوئی بھی اس کی تلاوت کرنے والا نہ ہو۔[٥٦]

حدیث: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی قرآن شریف کی تلاوت کرے اس طرح پڑھے گویا وہ آخری مرتبہ پڑھ رہا ہے، اس کی دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، چاہے اس کا اثر فوراً ظاہر ہو جائے یا اس کو آخر کے لئے ذخیرہ فرما لیا جائے تاکہ قیامت کے دن اس کے کام آئے۔

زید بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے: میری امت کے اعمال میرے سامنے پیش کئے گئے، مگر میں نے ایسے اشخاص کا کوئی گناہ نہیں دیکھا جو قرآن شریف سمجھ کر پڑھنا جانتے ہیں، اس کی تلاوت (نیز اس کے احکامات پر عمل) کو کبھی بھی نہیں چھوڑتے۔

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ لکھتے ہیں: حسن بن زیاد کا قول ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے سُنا ہے کہ جو شخص قرآن شریف ایک سال میں دو مرتبہ اہتمام کے ساتھ مکمل تلاوت کرے اس نے قرآن شریف کا گویا حق ادا کر دیا، کیونکہ جبریل علیہ السلام نے بھی حضرت رسولِ اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کے سالِ وفات میں آنحضرت صلیٰ اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو بار دَور کیا تھا۔[٥٧] لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر مہینہ میں کم سے کم پانچ پاروں کی تلاوت ضروری سمجھیں۔ (یعنی روزانہ کم سے کم) تین رکوع کے بقدر پڑھنے کا نہایت اہتمام رکھیں، اور اس کو ناقابلِ ترمیم معمول بنالیں، تاکہ قرآن پاک کا کم سے کم حق ادا ہوتا رہے۔

امام محمّد غزالیؒ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں: جان لو کہ قرآن شریف کی تلاوت عبادات میں سے بہترین عبادت ہے، بالخصوص وہ تلاوت جو نماز میں ہو اور کھڑے ہو کر ہو۔

فرمایا جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

افضل عبادة امتی قراۃ القرآن۔

میری امت کے لئے بہترین عبادت قرآن کریم کی تلاوت ہے۔[۵۸]

نیز فرمایا جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن قرآن پاک حق تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب اور سفارشی ہو گا، اس سے زیادہ قربت اور سفارش نہ انبیاء علیہم السلام کی ہوگی نہ فرشتوں کی۔[۵۹]

اور فرمایا جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے: میں تمھارے درمیان سے رخصت ہونے والاہوں اور تمھارے لئے دو راستہ دکھانے والے اور صحیح بات یاد دلانے والے چھوڑ کر جارہا ہوں، جو ہمیشہ تمھارے ساتھ رہیں گے ایک بولنے والا، دوسرا خاموش۔ بولنے والا قرآن شریف ہے، خاموش چیز مَوت ہے۔[۶۰]

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے: میں نے حق تعالیٰ شانہ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا یا اللہ العالمین آپ کی ذاتِ عالی سے قُربت کس طرح اور کس چیز کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، ارشاد ہوا میرے کلام (قرآن شریف) کے ذریعہ۔ عرض کیا، معنی سمجھ کر یا بلا معنی سمجھے۔ ارشاد ہوا معنی سمجھ کر ہو یا بلا معنی سمجھے۔[۶۱]

قرآن شریف پڑھنے کا طریقہ

جاننا چاہیئے کہ جو شخص بھی قرآن مجید کی تعلیم دیتا ہے (اور اس کا ترجمہ وتفسیر بیان کرتا ہے) اس کا حق تعالیٰ شانہ کے یہاں بہت بلند مرتبہ ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن شریف کی عظمت واحترام کا پوری طرح خیال رکھے، خود کو برے اور نامناسب کاموں سے بچائے اور بہر صورت قرآن کریم کا عالی مرتبہ پیشِ نظر رہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ قرآن مجید اس کا مدّمقابل ہو، (اور آخرت میں اپنی بے حرمتی کا دعوی کرے) چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میری امّت کے منافقوں کی اکثریت ان لوگوں میں سے ہوگی جو قرآن شریف کے پڑھنے والے ہیں،[۶۲] یعنی قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں مگر اس کے ادب واحترام (اور اس کے احکامات) کا خیال

نہیں رکھتے۔ [۶۳]

توریت میں حق تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے، اے میرے بندو! اگر تمھارے کسی خاص دوست کا خط تمھیں ملے اور تم راستہ میں کہیں ہو تو تم اسی وقت راستہ سے ایک طرف ہو کر بیٹھو گے، اس کا ایک ایک حرف پڑھو گے، اس پر غور کرو گے، پھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو گے، تمھیں شرم نہیں آتی کہ یہ کتاب میرا خط ہے، جو میں نے تمھیں لکھا ہے تاکہ اس پر غور کرو، اس کے مضامین کو سمجھو، لیکن تم اس سے پہلو بچاتے ہو اور اس کام کو نہیں کرتے، اگر تم اس کو پڑھو اور اس پر غور کرو تو تمھارے لئے نجات اور کامیابی کا ذریعہ ہے [۶۴]

جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف پڑھنے سے، بغیر عمل کے پڑھنا (اور اس کی ہدایات کو نظر انداز کر کے پڑھتے رہنا، مراد نہیں بلکہ حقیقتاً وہ پڑھنا مراد ہے جس میں اس پر پورا پورا عمل بھی ہو، چنانچہ اگر آقا کا خط ملازم اور غلام کے پاس پہنچے، وہ اس کے الفاظ کو خوبصورتی کے ساتھ بار بار پڑھتا رہے، اس کی ہدایت پر اور اس کے لکھے ہوئے کے مطابق عمل نہ کرے تو وہ ملازم سزا کا مستحق ہوگا۔

تلاوت کے آداب

پڑھنے والے کے ظاہر سے تعلق رکھنے والی چھ چیزیں ہیں:

اول: پوری صفائی اور پاکیزگی حاصل کرنا اور پورے ادب اور احترام کے ساتھ تلاوت کرنا۔

دوسرے: آہستہ آہستہ، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا، قرآن کے معانی اور مطالب میں غور وفکر کرنا، اگر معانی نہ جانتا ہو تو یہ بات ضرور ذہن میں حاضر رکھے کہ، میں اپنے پیدا کرنے والے معبود برحق، ربّ العالمین کا کلام پڑھ رہا ہوں، وہ ربّ العالمین ہر جگہ موجود اور ہر کھلی چھپی ہوئی بات کا پوری طرح جاننے والا ہے، اس لئے ایسا نہ ہو کہ میری زبان پر قرآن کی آیتیں ہوں اور میرے دل میں کچھ اور خیالات گردش کر رہے ہوں، کیونکہ میرا

مالک و آقا جس طرح میرے ظاہر کو ملاحظہ کرتا ہے اسی طرح میرے اندر کی حالت اور میرے دل کی کیفیات بھی اس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں[۶۵]

قرآن شریف پڑھنے والوں کو اس کوشش میں نہ رہنا چاہیئے کہ جلدی جلدی پڑھ لیں، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اِذَا زُلزِلَت آہستگی اور غور و فکر کے ساتھ پڑھتا ہے وہ مجھے اس شخص کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے جو سورۂ بقرہ کو جلدی جلدی پڑھتا ہوئے[۶۶]

تیسرے: رونا ہے، اگر قرآن شریف پڑھتے وقت رونا نہ آئے تو کوشش کر کے رونا لائے[۶۷]۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، قرآن مجید قیامت کے دن کی فکر کے لئے آیا ہے اس لئے جب بھی قرآن شریف پڑھو خود کو فکر مند بنا لو[۶۸]

پڑھنے والا اگر عام شخص ہو تو یہ یاد رکھے اور اس پر رنج و غم ظاہر کرے کہ افسوس میں اپنی زندگی کس طرح ضائع کر رہا ہوں، قرآن شریف کے معانی و مطالب کو کیوں نہیں سمجھتا سیکھتا، جس کا نہ جاننا (قیامت کے دن) ہر شخص کے لئے نہایت رنج اور شرمندگی کا سبب ہوگا۔ خصوصاً ان لوگوں کے لئے جنھوں نے اس کا کوئی بھی حصہ پڑھا نہ سمجھا۔

چوتھے: جب تلاوت کرتے ہوئے رحمت کے تذکرہ پر مشتمل آیات پر پہنچے یا جنت کا تذکرہ ہو، حق تعالیٰ شانہ سے مغفرت کی دعا اور رحمت کا طالب ہو اور اگر دوزخ کا احوال آئے اور عذاب کا تذکرہ ہو سچے دل سے توبہ استغفار کرے۔ اگر ایسی آیت آئے جس کے پڑھنے سے سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے، سجدہ کر لے، پہلے تکبیر کہے پھر سجدہ کرے اور سجدہ میں کہے۔

سجدت للرحمن وآمنت بالقرآن فاغفرلی ذنوبی[۶۹]

سجدۂ تلاوت کی وہی شرطیں ہیں جو نماز کے لئے ہیں، پاک ہونا، ضروری لباس کا ہونا، قبلہ رُخ ہونا اور چہرہ کا قبلہ کی طرف ہونا، نیز سبحان رَبِّیَ الاعلیٰ کہہ دینا بھی کافی ہے، اور علمائے احناف کے نزدیک سجدہ کے بعد سلام پھیرنا ضروری نہیں۔

چھٹے: کوشش کرنی چاہیئے کہ قرآن شریف عمدہ سے عمدہ آواز سے پڑھیں، جس

قدر ادائیگی بہتر ہوگی آواز عمدہ ہوگی، دل میں قرآن شریف کا اثر اسی قدر زیادہ ہوگا مگر قوّالوں کی طرح نہ پڑھے، زیر، زبر تبدیل نہ ہوں، حروف نہ کٹیں اور حروف کے (غیر ضروری) کھینچنے کی وجہ سے قرآن شریف پڑھنے میں غلطی واقع نہ ہو۔

فصل: حق تعالیٰ کے ذِکر اور کلمۂ طیبّہ وغیرہ کے فضائل

تمام عبادتوں کا مقصد حق تعالیٰ شانہ کی یاد ہے، نماز ان میں سب سے عمدہ عبادت اور ذکر الٰہی کا سب سے بہتر ذریعہ ہے، جو اپنی اہمیت اور عمدگی کی وجہ سے دین کا ستون ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کی تلاوت بھی بہترین عبادت ہے، کیونکہ قرآن شریف حق تعالیٰ کا ذکر بھی ہے خدا تعالیٰ کا کلام بھی، اور اللہ تعالی کی صفت بھی ہے اور گنہ گاروں کے دل سے گناہوں کا زنگ دُور کرنے والا بھی۔ قرآن پاک کا ہی ایک حصہ لاالہ الا اللہ بھی ہے۔ یہ تینوں عبادتیں عبادت کے سب طور طریقوں کا خلاصہ ہیں، ان میں اسلام کا نور بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے، اور ان کے ذریعہ کُفر کی سیاہی دُور ہوتی ہے۔ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ جو شخص روزانہ کلمۂ طیبّہ کا وِرد کرتا ہے وہ اولیاء اللہ کی صف میں شمار کیا جائے گا۔

حصن حصین کی شروح میں لکھا ہے کہ جو شخص سچّے دل سے ایک مرتبہ کلمۂ طیبّہ پڑھے اس کے پانچ ہزار گناہ دور ہوتے ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس کلمہ کو سو سال کا کافر صدق دل سے ایک مرتبہ پڑھ لے، سینکڑوں خون، زنا، بُت پرستی اور گندگیاں جو اس نے سو سال میں کی ہوں گی، کلمہ پڑھتے ہی موسم خزاں کے پت جھڑ کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے ختم اور کالعدم ہوجاتی ہیں اور یہ غیر مسلم کلمہ پڑھتے ہی گناہوں سے ایسا پاک صاف ہوجاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے گناہوں سے پاک پیدا ہوا تھا، اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کلمہ کو مسلمان پڑھے گا تو اس کے مراتب اور دل کی پاکیزگی میں کس قدر اضافہ ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: یا اللہ! اس کام اور

نیکی کی جانب رہنمائی فرمائیں جو کافروں سے جنگ جوئی اور جہاد سے بھی بہتر ہو، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی مرتبہ یہی سوال کیا تو ارشاد ہوا، اس سے بہتر عمل لاالہ اللہ پڑھ لینا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا، یہ کلمہ تو تیرے بیشمار بندے پڑھتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی خاص عمل بتایا جائے، ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اگر یہ کلمہ کسی کے پاس نہ ہو تو وہ چاہے کتنا ہی اچھا اور نیک عمل کر لے، ناقابلِ قبول اور فضول ہے۔ وَمَادُعَاءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّافِیْ ضَلَال۔

ہمارے نبی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تمھیں اس عمل سے آگاہ کرتا ہوں جو رب ذُوالجلال کے نزدیک سب سے زیادہ درجات بلند کرانے والا ہے۔ سونے چاندی کے خرچ کرنے سے، صدقہ دینے سے اور جہاد کرنے سے بھی افضل ہے، اس جہاد سے جس میں تم شہید ہوجاؤ اور کافروں کا صفایا کردو۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا اونچے مرتبہ والا عمل کون سا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالی کا ذکر ہے، جب بندہ حق تعالی شانہ کو یاد کرتا ہے، حق تعالی اس بندہ کو فرشتوں کے سامنے یاد فرماتے ہیں اور فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَفْضَلُ الذِّکرِ لَااِلٰہَ اِلَّااللہ" ہے۔

نیز فرمایا جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو بھی نیکی کی جاتی ہے، قیامت کے دن اس کا ثواب نیکی کے وزن کے مطابق تولا جائے گا مگر کلمۂ طیّبہ ایسا عمل ہے کہ جب اس کو ترازو میں رکھیں گے تو اس کا وزن ساتوں زمین و آسمان سے بڑھ جائے گا۔ حق تعالی کے نام نامی کی کون ہمسری کرسکتا ہے۔

فائدہ: فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص روزانہ دو سو مرتبہ سُبحان اللہ وبحمدہٖ، استغفر اللہ، پڑھے گا حق تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمادیں گے، چاہے ان گناہوں کی تعداد دریاؤں کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہو۔ (یعنی اگر بے شمار گناہ ہوں گے وہ بھی کالعدم اور معاف ہوجائیں گے۔)

حکایت

ایک مرتبہ غریب مہاجرین نیز کچھ اور صحابہ کرامؓ حضور پرنور حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) دولت مند صحابہ ہمارے سے آگے نکل گئے، فرمایا، وہ کیسے؟ عرض کیا روزہ نماز حج اور تمام جسمانی نیک عمل وہ بھی کرتے ہیں، ہم بھی انجام دیتے ہیں، لیکن وہ نیک کام جو پیسے کے ذریعہ انجام دیئے جاتے ہیں، جیسے صدقہ کرنا، غریبوں ومسکینوں کی ضرورت میں کام آنا (علماء اور صالحین کی خدمت) بےسہارا لڑکیوں کا نکاح کرانا، بیواؤں کی مدد کرنا، زکوٰۃ دینا اور وہ سب نیک کام جن کا مال و دولت سے تعلق ہے، غربت کی وجہ سے ہمارے لئے ان کا سر انجام دینا ممکن نہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہیں ایسی چیز سکھادوں گا کہ اس شخص کے علاوہ جو ان کو پڑھتا ہوگا کوئی اور اس مرتبہ کو نہیں پاسکتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جلد ارشاد فرمایئے۔ فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھے اس کے بعد کہے "لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" حق تعالیٰ شانہ اس کے سب گناہ معاف فرمادیں گے۔ یہ گناہ دریا کے جھاگوں کے برابر کیوں نہ ہوں۔ یہ قیمتی سوغات ملنے کے بعد یہ سب صحابہ کرامؓ ہنسی خوشی اور مسرت کے ساتھ واپس چلے آئے۔

فقراء صحابہؓ کی یہ جماعت ایک عرصہ کے بعد دوبارہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، یا رسولُ اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے پہلے جناب والا نے جو کلمات تعلیم فرمائے تھے وہ دولت مند صحابہ نے بھی سیکھ لئے، وہ بھی ان کا ورد کرتے ہیں، اس لئے وہ ہمارے سے آگے نکل جائیں گے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں ان کو نیک کام سے روکنے والا نہیں ہوں۔ مگر تمہیں ان کے صدقات وخیرات کے برابر اس قدر ثواب ضرور ملے گا جس قدر میں نے بتایا تھا۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ ۳۳-۳۳ مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ

اکبر پڑھیں تاکہ سو کا عدد پورا ہو جائے[۶]

فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ اللہ کا ذکر کرنا صدقہ ہے، اس کی حمد کرنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، نیک بات کا حکم کرنا بھی صدقہ ہے۔ نیز بری بات سے روکنا بھی صدقہ ہے[۷]

استغفار کا کچھ تذکرہ

جب یہ آیت شریفہ "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ" نازل ہوئی تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے سبحانک اللہم و بحمدک، اللہم اغفرلی، پڑھا کرتے تھے[۸] جو اس کو پڑھے گا اس کے گناہ معاف ہوں گے اور وہ غم سے نجات پائے گا۔

نیز فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص سوتے وقت تین مرتبہ استغفر اللہ الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم، پڑھے گا حق تعالیٰ شانہ اس کے سب گناہ معاف فرمادیں گے، اگرچہ وہ گناہ دریا کے جھاگ سے، ریت کے ذروں سے، درختوں کے پتوں سے اور الفاظ وکلمات سے بھی زائد ہوں[۹]

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسولَ اللہ (صلیٰ اللہ علیہ وسلم) مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، میں اس کی وجہ سے ڈر رہا ہوں، فرمایا پڑھو، اللہم مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجی من عملی۔ انھوں نے پڑھا، آنحضرت صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر پڑھو، اسی طرح تین مرتبہ پڑھوایا، انھوں نے پڑھ لیا، اس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو (جاؤ) حق تعالیٰ نے تمھارے سب گناہ معاف کر دیئے[۱۰]

اس لئے آدمی کو چاہیئے، استغفار کی ایک تعداد مقرر کر کے پابندی سے اس کا معمول بنالے (اور اس کی ادائیگی ضروری سمجھے) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اگرچہ اللہ کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر میں روزانہ حق تعالیٰ شانہ سے ستّر مرتبہ استغفار کرتا ہوں[۱۱]، حالانکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے قطعاً محفوظ ومعصوم اور

بخشے بخشائے تھے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ[۸۲]

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار استغفار فرمانا اور کثرت سے توبہ کرنا اپنی امت کے گنہ گاروں کی وجہ سے تھا، اسی لئے جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں حق تعالیٰ شانہ سے درخواست کی تھی کہ میری امت کے اعمال نامے (پیر کے دن) میرے سامنے پیش کر دیئے جائیں تاکہ مجھے امت کے اچھے اعمال سے خوشی ہو اور میں دعا کروں کہ ان کی یہ نیکیاں ضائع نہ ہوں اور اگر برے اعمال دیکھوں تو ان کے لئے استغفار کروں کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے ان کو معاف فرما دے[۸۳]۔

درود شریف کے فضائل کا کچھ تذکرہ

فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس یہ خوش خبری لائے ہیں، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا حق تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیں گے اور جو مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجے گا حق تعالیٰ اس پر سو رحمتیں نازل فرمائیں گے[۸۴]۔

حدیث: فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اکثروا الصلاۃ علی یوم الجمعۃ فان صلوتکم معروضۃ علی فیہ[۸۵]

ترجمہ: مجھ پر جمعہ کے دن درود شریف پڑھا کرو، کیونکہ اس دن تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

حدیث: فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اس کا اجر و ثواب اعلیٰ پیمانہ سے وزن کیا جائے اس کو چاہیئے کہ یہ درود پڑھے:

اللھم صل علی محمد النبی الامی والہ وبارک وسلم[۸۶]

حدیث: معارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن اسی مرتبہ درود شریف پڑھے گا اس کے تمام گناہ محو کر دیئے جائیں گے، اور اس کی تمام ضرورتیں پوری ہوں گی، درود یہ ہے:

اللهم صلى على محمد عبدك وحبيبك النبى الامى وآله۔ [87]

مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے:

من صل على واحدة صلى الله عليه عشر صلوات، اوحطت عنه عشر خطيئات ورفعت له عشر درجات۔ [88]

جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے حق تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور اس کی دس خطائیں معاف فرمائی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کردیئے جاتے ہیں، نیز فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اولى الناس بى يوم القيامة اكثرهم صلى على صلوٰة۔ [89]

ترجمہ: قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتے ہوں گے۔

نیز فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ شخص خاک آلود (نامراد) ہو، جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

اور فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

البخيل الذى ذكرت عنده فلم يصل على۔ [90]

ترجمہ: سب سے بڑا بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

حدیث: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

ان الله ملائكة سياحين فى الارض يبلغونى عن امتى السلام۔ [91]

ترجمہ: حق تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو پوری دنیا میں گشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت میں سے جو شخص مجھ پر درود وسلام بھیجتا ہے وہ میرے سامنے لاکر پیش کردیتے ہیں۔

اور جو شخص ایک مرتبہ درود خمسہ پڑھے وہ سب گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہوجاتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو اور ایک ہزار نیکیاں اس کے اعمال نامہ میں درج ہوتی ہیں۔ [92] ایک شخص نے امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے باغیچہ

میں ٹہل رہے ہیں، پوچھا آپ اس مرتبہ پر کس طرح پہنچے؟ فرمایا اس درود کی برکت سے میری مغفرت ہوگئی۔

اللهم صل على محمد بعدد من صلى عليه، وصل على محمد بعدد من لم يصل عليه، وصل على محمد كما تحب وترضىٰ ان نصلى عليه، وصل محمد كما ينبغى الصلوٰة عليه، وصل على محمد كما امرتنا بالصلوٰة عليه.[۹۳] (مفتاح الجنان)[۹۴]

تفسیرِ مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ جو شخص آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ دعا پڑھے: اشهد ان لک ربا خالقا، اللهم اغفرلى، حق تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ وہ شخص یہ دعا چاہے لیٹ کر ہی پڑھے۔[۹۵]

نیز تفسیر عمدہ کا مصنف کہتا ہے کہ جو شخص اہتمام سے روزانہ آیت الکرسی پڑھتا ہے، جب اس کی روح نکالنے کا وقت آئے گا حق تعالیٰ شانہ خود اس کی روح نکالنے پر توجہ فرمائیں گے اور اس شخص کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقربین اور جماعتِ شہدا میں شامل فرمایا جائے گا۔

تفسیر مدارک التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص روزانہ ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھنے کا اہتمام اور پابندی کرے گا اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے علاوہ کوئی اور مانع نہیں ہے۔ جیسے ہی اس کا انتقال ہوگا اس کو جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔[۹۶] معتمد و معتبر احادیث شریفہ میں بھی یہی لکھا ہے۔[۹۷]

والحمد لله على الاتمام وعلى نبيه الصلوٰة والسلام.

حواشی:

۱- بی بی فضیلت النساء عرف بی بی تنہا جیسا کہ مفتی صاحب نے صراحت فرمائی ہے، قاضی قطب الدین خاں، قاضی تھانہ بھون کی دختر تھیں۔ افسوس ہے بی بی تنہا کے متعلق تفصیلات دستیاب نہیں تاہم ان کے والد قاضی قطب الدین اس نواح کی ایک اہم شخصیت تھے۔

قاضی قطب الدین خاں، بن غلام نبی، بن غلام رسول، بن محمد اعظم (اہل تھانہ بھون کی تصریحات کے مطابق) کاندھلہ کے رہنے والے تھے، ان کی والدہ قاضی محمد منعم، قاضی تھانہ بھون (وفات ۱۲۱۵ھ) کی ہمشیرہ

تھیں، چونکہ قاضی محمد منعم لاولد تھے اس لئے انھوں نے اپنے بھانجے کو اپنا وارث اور قائم مقام مقرر کرا دیا تھا، قاضی محمد منعم کی وفات کے بعد قاضی تھانہ بھون مقرر ہوئے۔

قاضی قطب الدین خاں کے بھی پسری اولاد نہیں تھی اس لئے ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی، قاضی نجابت علی قاضی تھانہ بھون مقرر کئے گئے جو مولانا شیخ محمد تھانوی کے حقیقی نانا تھے۔ قاضی نجابت علی کے پوتے قاضی عنایت علی ہوئے جو ۱۸۵۷ء میں معرکہ شاملی وتھانہ بھون کے امیر وقافلہ سالار تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

قاضی قطب الدین، بہت جری اور حوصلہ مند شخص تھے، مرہٹوں اور انگریزوں کی کشمکش میں انگریزوں کے ہم نوا رہے، جس کی وجہ سے انعامات اور خان کے خطاب سے نوازے گئے، قاضی قطب الدین عہدۂ قضاۃ کے علاوہ اپنے علاقہ کے تحصیلدار بھی تھے، بعد میں ان کو ڈاسنہ (میرٹھ حال ضلع غازی آباد) کا تحصیلدار بنا دیا گیا تھا مگر وہ اس خدمت پر زیادہ دن کام نہ کر سکے، دل برداشتہ ہو کر وطن واپس آگئے تھے، یہیں ۱۲۳۳ھ-۱۸۱۸ء میں وفات ہوئی۔

قاضی قطب الدین کا مختصر مختصر تذکرہ مولانا شیخ محمد تھانوی نے تاریخ تھانہ بھون (مرتبہ شاہ انوار الحق صدیقی مشمولہ ماہنامہ "البلاغ" کراچی، شوال ۱۳۹۳ھ ص ۵۳-۵۲) میں، منشی نند کشور نے تاریخ سہارنپور (مطبع مسعد الہدایہ، باندہ: ۱۸۷۷ء) میں اور مولانا ناظر حسن تھانوی (وفات ۱۳۳۸ھ - ۱۹۲۰ء) نے تاریخ تھانہ بھون مؤلفہ ۱۳۳۳ھ (عکس نسخہ سوخت مملوکہ راقم سطور) میں کیا ہے۔

۲- رواہ فی الموطا عن مالک بن انس مرسلاً۔ مشکوٰۃ (باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) ص ۳۱ (عکس نسخہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، دہلی -- بلا سنہ)

۳- رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، باب مناقب اہل البیت، ص ۵۶۹

۴- یہ روایت ان الفاظ میں مجھیں نہیں ملی نہ ضمناً نہ اصالتاً۔

۵- مفتی صاحب نے دو واقعات نقل کئے ہیں، یہاں صرف ایک حکایت کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

۶- رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب، الترغیب والترہیب للمنذری۔ تحقیق مصطفیٰ اعمارہ، ص ۳۵۰ ج ۲ (بیروت: ۱۳۸۸ھ)

۷- فتاویٰ عالمگیری ۳۱۶، ج ۵ (عکس نسخہ مصریہ، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ: ۱۴۰۶ھ)

۸، ۹- فتاویٰ عالمگیری، ص ۳۱۶ ج ۵ (طبع مذکورہ بالا)

۱۰- فتاویٰ عالمگیری، ص ۳۱۵، ج ۵

۱۱- کبیری شرح منیہ، ص ۴۶۵ (مطبع مجتبائی، دہلی)

۱۲- حاشیہ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ص ۷۷ (مطبع امین انجابی، مصر: ۱۳۴۷ھ)

۱۳- فتاویٰ عالمگیری، ص ۳۱۶، ج ۵

۱۴- الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ص ۷۷

۱۵- من تعلم القرآن ثم نسیہ لقی اللہ تعالیٰ وھو اجذم۔ رواہ عبد اللہ بن احمد، عن عبادۃ بن الصامت، ورجالہ ثقات وفی بعضھم خلاف مجمع الزوائد للہیثمی، ص ۱۷۰، ج ۷ (اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد اور دارمی نے نقل کی ہے۔ مشکوٰۃ، ص ۱۹۱)

۱۶- طحطاوی علی المراقی الفلاح، ص ۷۷

۱۷- طحطاوی علی المراقی الفلاح، ص ۷۷

۱۸- رواہ البخاری، مشکوٰۃ، ص ۱۸۳

۱۹- رواہ مسلم عقبہ بن عامرؓ، مشکوٰۃ ص ۱۸۳۔

۲۰، ۲۱- متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۸۴
۲۲- حضرت مفتی صاحب کی تحریر میں یہاں حضرت ابو سعید خدریؓ کا نام درج ہے جو بظاہر سہو قلم ہے۔
۲۳- رواہ البخاری، مشکوٰۃ ص ۱۸۴
۲۴- الحجر - ۸۷، ترجمہ شیخ الہند: اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجہ کا۔
۲۵- اصل میں یہاں حضرت ابو ہریرہؓ کا نام مذکور ہے جو درست نہیں۔
۲۶، ۲۷- رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۸۵
۲۸- رواہ مسلم عن ابی الدرداءؓ ورواہ البخاری عن ابی سعیدؓ۔ مشکوٰۃ ص ۱۸۵
۲۹- رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۸۶
۳۰- رواہ فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ ص ۱۸۶
۳۱- رواہ الترمذی والدارمی وقال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیح غریب۔ مشکوٰۃ ص ۱۸۶
۲۳- رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۱۸۶
۳۳- رواہ احمد والترمذی، وابن ماجۃ، والدارمی، وقال الترمذی ہذا حدیث غریب، مشکوٰۃ ص ۱۸۷
۳۴- رواہ الترمذی والدارمی، وقال الترمذی ہذا حدیث غریب، مشکوٰۃ ص ۱۸۷
۳۵- رواہ احمد، والترمذی، وابوداؤد، والنسائی، وابن ماجہ، مشکوٰۃ ص ۱۸۷
۳۶- رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب، مشکوٰۃ ص ۱۸۷
۳۷- رواہ احمد، والترمذی، والدارمی، وقال الترمذی ہذا حدیث صحیح، وکذا فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ ص ۱۸۸
۳۸- رواہ الترمذی، عن ابن عباس وانس بن مالکؓ، مشکوٰۃ ص ۱۸۸
۳۹- رواہ الترمذی، والدارمی وفی روایۃ خمسین مرۃ لم یذکر الا ان یکون علیہ دین، مشکوٰۃ ص ۱۸۸
۴۰- رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن عثمان بن عبد اللہ بن اوس الثقفی عن جدہ، مشکوٰۃ ص ۱۸۸
۴۱- رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن ابن عمرؓ، مشکوٰۃ ص ۱۸۹
۴۲- رواہ الدارمی، والبیہقی فی شعب الایمان، عن عبد المالک بن عمیر مرسلاً، مشکوٰۃ ص ۱۸۹
۴۳- رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن معقل بن یسار المزنی، مشکوٰۃ ص ۱۸۹
۴۴- رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ ص ۱۹۰
۴۵- متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۹۰
۴۶- رواہ ابوداؤد والترمذی، مشکوٰۃ ص ۱۹۱
۴۷- رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی- وقال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب، مشکوٰۃ ص ۱۹۱
۴۸- رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن عبیدۃ الملیکی، وکانت لہ صحبۃ، مشکوٰۃ ص ۱۹۲
۴۹- رواہ الترمذی وقال، ہذا حدیث لیس اسنادہ بالقوی، مشکوٰۃ ص ۱۹۱
۵۰- سورۂ یوسف - ۸۶ - ترجمہ: "میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے، اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔" (از حضرت شیخ الہند)
۵۱- سورۂ مائدہ (۱۱۸ - ترجمہ: "اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو، تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔" (شیخ الہند)
۵۲- سورۂ یٰسین - ۵۹ - ترجمہ: اور تم الگ ہو جاؤ آج اے گنہگارو!" (شیخ الہند)

۵۳- سورہ بقرہ - ۱۸۱، ترجمہ: "اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف، پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو، جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔" (شیخ الہند)

۵۴- رواہ الطبرانی، وفیہ الربیع بن بدر، وہو متروک، مجمع الزوائد ہیثمی، ص ۱۶۷، ج ۷

۵۵- رواہ ابن حبان عن ابن عمرؓ - اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات وقال "ہذا موضوع بلاشک فیہ ومحمد بن المہاجر یضع الحدیث علی الثقات، یہ روایت بلاشک وشبہ موضوع ہے - الموضوعات لابن الجوزی، تحقیق عبد الرحمن بن عثمان ص ۲۵۴، ج ۱ (المدینۃ المنورۃ: ۱۳۸۶ھ) ولہ شاہد من حدیث ابی الدرداء اخرجہ ابن ابی داؤد فی المصاحف وقال ابن عراق: ہو من طریق خلف بن یحیٰ احد الکذابین، فلا یصلح لہ شاہداً --- تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ لابن عراق، تحقیق عبد الوہاب عبد اللطیف وعبد اللہ محمد الصدیق (بیروت: ۱۴۰۱ھ)

۵۶- مفتی صاحب نے یہ روایت غالباً تنبیہ الغافلین سے نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

ثلاثۃ ہم الغرباء فی الدنیا القرآن فی جوف الظالم، والرجل الصالح فی قوم السوء و المصحف فی بیت لا یقراء فیہ

تنبیہ الغافلین، فقیہ ابو اللیث سمرقندی، ص ۱۵۲ (مطبع عیسیٰ البابی الحلبی، مصر: ۱۳۳۸ھ)

۵۷- تنبیہ الغافلین، ص ۱۵۳

۵۸- قال العراقی، رواہ ابو نعیم فی فضائل القرآن، من حدیث نعمان بن بشیر وانسؓ، باسناد ضعیف۔ (وقال الزبیدی) قلتُ رواہ البیہقی کذلک، ورواہ حدیث نافع عن اُسید عن جابر التیمیؓ والسجزی فی الابانۃ عن انسؓ بلفظ افضل العبادات قراۃ القرآن - اتحاف السادہ، ص ۴۶۴، نیز کیمیائے سعادت، ص ۱۰۹، ج ۴ (مطبع احمدی، شاہدرہ: ۱۲۷۹)

۵۹- رواہ عبد الملک بن حبیب من روایہ سعید بن سلیم مرسلاً- اتحاف السادۃ المتقین، ص ۴۶۳، ج ۴- نیز کیمیائے سعادت، ص ۱۰۹، (اشاعت بالا)

۶۰- کیمیائے سعادت، ص ۱۰۹

۶۱- مناقب الامام احمد بن حنبل، لابن الجوزی بتحقیق عبد اللہ عبد المحسن الترکی، ص ۵۲۷ (مکتبہ الخانجی مصر: ۱۳۹۹ھ)

۶۲- اکثر منافقی ہذہ الامۃ قراؤہا، قال العراقی، رواہ احمد من حدیث عقبہ بن عامر وعبد اللہ ابن عمرؓ وفیہما ابن لہیعۃ (وقال الزبیدی) قلت ورواہ الطبرانی فی الکبیر مثل روایات احمد، ورواہ کذلک البیہقی فی السنن وفی الشعب عن ابن عمرو - اتحاف السادہ، ص ۴۵۹، ج ۴

۶۳- کیمیائے سعادت، ص ۱۰۹

۶۴- کیمیائے سعادت، ۱۰۵ (حضرت امام غزالی نے یہی الفاظ احیاء العلوم میں بھی نقل فرمائے ہیں- اور علامہ زبیدی نے اس کی شرح میں قوت القلوب کا حوالہ نقل کیا ہے، اتحاف السادہ، ص ۴۷۰، ج ۴)

۶۵- کیمیائے سعادت، ۱۰۶

۶۶- لان اقرأ اذا زلزلت والقارعۃ اتدبرہما، احب الی من ان اقرأ البقرۃ وآل عمران تہذیراً- نقلہ صاحب قوت القلوب عن ابن عباسؓ، اتحاف السادہ، ص ۴۷۸، ج ۴

۶۷- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اتلوا القرآن وابکوا، فان لم تبکوا فتباکوا۔" قال العراقی، رواہ ابن ماجۃ بن حدیث سعد بن وقاصؓ، باسناد جید (قال الزبیدی) قلت رواہ عبد اللہ بن احمد، عن سعد بن مالکؓ، اتحاف السادہ، ص ۴۷۹، ج ۴

۶۸- قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "ان القرآن نزل بحزن فاذا اقرأ تموہ فتحازنو۔" قال العراقی، رواہ ابو یعلی وابو نعیم فی الحلیۃ، من حدیث ابن عمر بسند ضعیف، اتحاف السادہ، ص ۴۸۰، ج ۴

۶۹- حضرات فقہاء نے سجدہ تلاوت میں پڑھنے کے لئے ایک دعا نقل فرمائی ہے مگر وہ اس سے مختلف ہے اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں تمام سجدہ ہائے تلاوت میں سے ہر ایک سجدہ کے لئے ایک مستقل دعا مذکور ہے مگر مفتی صاحب کے نقل کئے ہوئے الفاظ اس میں بھی موجود نہیں، نیز ملاحظہ ہو اتحاف السادۃ للزبیدی، ص ۴۸۳، ص ۴۸۵، ج ۴

۷۰- فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے نقل کیا ہے:
وروی عن بعض الصحابة رضی الله عنهم انه قال من قال لا اله الا الله من قبله خالصاً ومدها بالتعظیم، کفر الله عنه اربعة الالف ذنب من الکبائر، قیل ان لم یکن له اربعة الاف ذنب، قال یغفر من ذنوب اهله وجیرانه. (تنبیه الغافلین، ص ۱۵۰)

نیز چار ہزار گناہوں کی معافی احادیث سے بھی ثابت ہے: "من قال لا اله الا الله ومدہا، ہدمت لہ اربعة آلاف ذنب من الکبائر۔" رواہ الدارمی من حدیث انس وفیہ نعیم بن سالم۔ (تنزیہ الشریعة المرفوعة، الفصل الثالث۔ ص ۳۲۵، ص ۳۳۶، ج ۲)

۷۱- رواہ فی شرح السنۃ عن ابی سعید الخدریؓ، مشکوٰۃ باب التسبیح، ص ۲۰۱

۷۲- رواہ مالک، واحمد، والترمذی، وابن ماجہ، الاان مالکا وقفہ علی ابی الدرداءؓ، مشکوٰۃ ص ۱۹۸

۷۳- رواہ الترمذی، وابن ماجہ عن جابرؓ، مشکوٰۃ باب التسبیح، ص ۳۰۱

۷۴- یا ابا ہریرۃ ان کل حسنۃ تعملہا توزن یوم القیامۃ الاشہادۃ ان لا الہ الا اللہ فانہا لا توضع فی المیزان، لانہا لو وضعت فی میزان من قالہا صادقا۔ ووضعت اسموات والارضون السبع وما فیہن کانت لا الہ الا اللہ ارجح من ذلک۔ قال العراقی ہذہ الوجہۃ لابی ہریرۃ موضوعۃ، وآخر الحدیث رواہ المستغفری فی کتاب الدعوات، اتحاف السادۃ المتقین، ص ۱۱، ج ۵

۷۵- متفق علیہ، عن ابی ہریرۃؓ، مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوات، ص ۸۹ (نیز مدارج النبوہ، شیخ عبد الحق محدث، ص ۴۱۹، ج اول (فخر المطابع دہلی: ۱۲۶۹ھ)

۷۶- فی روایت ابی داؤد عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، مشکوٰۃ ص ۲۱۱

۷۷- رواہ مسلم عن ابی ذرؓ مشکوٰۃ باب الصدقہ، ص ۱۶۸

۷۸- متفق علیہ

۷۹- رواہ الترمذی عن ابی سعیدؓ۔ وقال الترمذی ہذا حدیث غریب، مشکوٰۃ ص ۲۱۱

۸۰- رواہ الحاکم عن جابر بن عبد اللہؓ (اصل روایت میں صرف دو مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ کشف الخفا ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس، عجلونی، ص ۱۹۳، ج ۱)

۸۱- رواہ البخاری عن ابی ہریرۃؓ، مشکوٰۃ ص ۲۰۳

۸۲- الفتح - ۱ - ترجمہ: تا معاف کردے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے (شیخ الہند)

۸۳- یہ روایت راقم سطور کو ان الفاظ میں نہیں ملی، اس عنوان کی معروف روایت مسند بزار میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:
حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم، فاذا انا مِتّ کانت وفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فان رائیت خیر حمدت الله وان رائت شرا استغفرت لکم، قال الهیثمی رجاله رجال الصحیح.

۸۴- رواہ مسلم عن ابی ہریرۃؓ، مشکوٰۃ (باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ص ۸۶

۸۵- رواہ البیہقی عن ابی امامہؓ بسند حسن لا بأس فیہ، ورواہ الدیلمی فی مسند الفردوس، وسندہ ضعیف القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع للسخاوی، ص ۱۵۳ (بیروت ۱۴۰۷ھ)

۸۶- رواہ ابو داؤد عن ابی ہریرۃؓ، مشکوٰۃ ص ۸۷

۸۷- معارج النبوہ، ملا حسین واعظ کاشفی، ص ۱۶۹، ص ۱۸۰ جلد اول، (منشی نول کشور، مطبع اودھ اخبار، لکھنؤ، ۱۲۹۲ھ) مگر اس کی فضیلت اور مذکورہ الفاظ کے اصل پیشِ نظر ماخذ دستیاب نہیں ہوئی۔ تاہم جمعہ کے دن

درود شریف کی فضیلت اور اس دن کے مخصوص درود علامہ سخاوی نے القول البدیع جمع فرمائے ہیں۔ ص ۱۸۶، ص ۱۹۰، مگر اس میں مؤلف معارج النبوہ کے منقولہ الفاظ شامل نہیں۔
۸۸- رواہ النسائی عن انسؓ، مشکوٰۃ ص ۸۶---۸۹- رواہ الترمذی عن ابی مسعودؓ مشکوٰۃ ص ۸۶
۹۰- رواہ الترمذی عن علی بن ابی طالبؓ واحمد عن الحسین بن علی- وقال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیح غریب، مشکوٰۃ ص ۸۷
۹۱- رواہ النسائی والدارمی عن ابن مسعود، مشکوٰۃ ص ۸۶- وابو نعیم والبیہقی والخلعی وابن حبان والحاکم فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد- القول البدیع، ص ۱۴۸- مؤلف فضل القرآن نے یہ حدیث حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے، حضرت انسؓ کے حوالہ سے راقم سطور کو نہیں ملی۔
۹۲- یہ درود شریف بے شک وشبہ امت میں مقبول ومعتمد ہے اور یقیناً اس کا بہت اجر وثواب ہے مگر ایک مرتبہ پڑھنے سے ایک ہزار نیکیاں ملنے کی تصریح وتعیین محل نظر ہے، کیونکہ ایسی تحدید اور صراحت صرف ان ہی اعمال و کلمات میں ممکن ہے جو ماثور ہوں اور یہ درود شریف اپنی بلند مقامی کے باوصف ماثور نہیں ہے۔
۹۳- مفتاح الجنان (نسخہ ذاتی قلمی، ورق ۳۴ ب، ناقص الاخر) میں اسی طرح لکھا ہے مگر دراصل حضرت امام شافعی کے مرتب فرمائے ہوئے دو درود معروف ومنقول ہیں جس میں زیادہ مقبولیت اس درود کو حاصل ہے جو حضرت امام نے اپنی تالیف "کتاب الرسالہ" کے آغاز میں تحریر کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:
صلّ الله على نبينا كلما ذكره الذاكرون وغفل عن ذكره الغافلون وصلى عليه فى الاولين والآخرين، افضل واكثر وازكى ماصلى علىٰ احد من خلقه.
کتاب الرسالہ بتحقیق علامہ احمد محمد شاکر ص ۱۶ (دارالفکر بیروت، بلاسند) حضرت امام کو وفات کے بعد خواب میں دیکھنے اور نجات ومغفرت سے سرفراز کیے جانے کی اکثر روایتیں اسی خواب سے متعلق ہیں۔ حضرت امام کا مرتب کیا ہوا دوسرا درود شریف وہ ہے جو یہاں مفتاح الجنان سے نقل ہوا ہے مگر اس کے صحیح الفاظ یہ ہیں:
اللهم صل على محمد عدد من صلى عليه، وصل على محمد بعدد من لم يصل عليه و صلى على محمد كما امرت ان يصلى عليه وصلّ على محمد كما تحب ان يصلى عليه وصل على محمد كما ينبغى الصلوٰة عليه.
اس درود شریف کی وجہ سے بھی نجات ومغفرت کی بشارت کا ایک خواب علامہ سخاوی نے مناقب الشافعی بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ القول البدیع، علامہ سخاوی ۱۴۱، ص ۱۴۲ (بیروت: ۱۴۰۷ھ)
۹۴- مفتاح الجنان حضرت شیخ نصیر الدین چراغ کے مرید ومسترشد محمد مجید وجیہ کی تالیف ہے جو کہ ۷۵۶ھ میں لکھی گئی۔ مفتاح الجنان کو عموماً کمیاب خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے متعدد خطی نسخے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ایک نسخہ جو رواں نستعلیق میں تحریر ہے اور غالباً بہت صحیح نسخہ نہیں، ہمارے ذخیرہ میں بھی موجود ہے۔ یہ نسخہ ہمیں قاضی عبدالحق صاحب بگھروی کی عنایت سے حاصل ہوا جو حضرت سید احمد شہید کے ممتاز خلیفہ شاہ محمد حسین بگھروی کے اخلاف میں سے ہیں۔ فجزاہ اللہ خیرا الجزاء۔ (مفتاح الجنان کا فارسی متن غالباً ایک مرتبہ چھپا ہے اس کا اردو ترجمہ مرقاۃ الاتقان کے نام سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ایک منتسب قاضی عبدالحق خاطف مظفرنگری نے کیا تھا جو دو جلدوں میں چھپا ہے اور ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔)
۹۵- تفسیر مدارک التنزیل۔ (زیر آیت، ویتفکرون فی خلق السموات والارض ...الخ آل عمران) ص ۱۵۶، ج ۱ (دار احیاء الکتب العربیۃ، مصر! ۱۳۴۴ھ)
۹۶- مدارک التنزیل، ص ۱۰۱ ج ۴-- نیز مشکوٰۃ ص ۸۹، رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن علیؓ وقال اسنادہ ضعیف۔

مذہبی و دینی مدارس میں مغربی علوم اور جدید سائنس کی تعلیم

مفید ہے یا مضر؟

حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب جلال آبادیؒ کا اہم مکتوب

(بجواب مراسلہ جناب سید حامد صاحب)

برصغیر ہند پاکستان کے مدارسِ اسلامیہ کا نصاب کیا ہو کیا نہ ہو؟ یہ ایک خاصی پرانی گفتگو ہے اور گذشتہ دس پندرہ سال سے اس بحث میں ایک نیا عنوان اور شامل ہو گیا ہے کہ جدید سائنس اور مغربی علوم بھی مدارس اسلامیہ کے نصاب میں شامل کئے جائیں۔ اس سلسلے میں مختلف گوشوں سے آوازیں اٹھتی رہتی ہیں۔ ہندوستان کے نامور دانشور اور تعلیمی رہنما جناب سید حامد صاحب (سابق وائس چانسلر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) کی بھی یہی رائے اور کوشش ہے کہ یہ علوم، دینی درسگاہوں کے نصاب میں شامل کرلئے جائیں۔ اسی کاوش کا ایک حصہ سید صاحب کا وہ مراسلہ ہے جو موصوف نے اس موضوع پر اظہارِ رائے اور معلومات کے لئے ۱۹۸۷ء میں ہندوستان کے ممتاز دینی تعلیمی اداروں اور علماء کے نام بھیجا تھا، جس میں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادی کا نام بھی شامل ہے۔ مولانا جلال آبادی نے، جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے اہم مسترشد و مجازِ بیعت، جید عالم، مشہور مرشد و مصلح، ماہر درس و افادہ اور ایک بڑے مدرسہ کے بانی و سرپرست تھے، اس خط کا مفصل جواب تحریر فرمایا، جس میں علومِ اسلامیہ، مدارسِ دینیہ نیز جدید سائنس، اس کی افادیت و نقصانات اور مدارسِ اسلامیہ میں جدید مغربی سائنسی علوم کی تدریس اور متعلقہ سب پہلوؤں پر مختصر، جامع اور پُر مغز گفتگو فرمائی ہے۔ یہ جواب اہلِ مدارس کے لئے چشم کشا اور مفید و بصیرت افزا تحفہ ہے۔

ہماری معلومات کے مطابق یہ مراسلت خصوصاً مولانا کا مکتوب ہنوز کہیں شائع نہیں ہوا۔ ہمیں جناب سید حامد صاحب کے مراسلہ اور اس قیمتی خط کی نقل مکرمی مولوی فرزند علی صاحب (بھیسانی، اسلام پور، ضلع مظفرنگر) کے توسط و عنایت سے حاصل ہوئی، جو موصوف کے دلی شکریہ کے ساتھ یہاں درج ہے۔

مولانا کے خط میں آیات شریفہ کے حوالے اور ان کا ترجمہ مذکور نہیں تھا اس لئے آیات کے ساتھ حوالہ اور حضرت شیخ الہند کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔ نور

مکتوب جناب سید حامد صاحب

سابق وائس چانسلر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

وائس چانسلر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

محترمی ومکرمی! السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہندوستانی مسلمان علومِ جدیدہ خصوصاً سائنسی علوم میں بمقابلہ دوسری قوموں کے کافی پیچھے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس سفر میں وہ گرد کارواں بھی نہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ وہ ملّت جس نے لگ بھگ ساڑھے تین سو سال تک دنیائے علم و دانش کی امامت کی اور جس نے جابر بن حیان خوارزمی، رازی، بیرونی، بوعلی بن سینا اور ابن الہیثم جیسے اپنے دور کے علومِ جدیدہ کے ماہرین پیدا کئے، آج مقتدیوں کی صف میں بھی نہیں، ایسا کیوں ہوا؟

مسلمان یہ کیوں بھول بیٹھے کہ خدا کی کتاب کا علم دین ہے، تو خدا کی کائنات کا علم، علمِ سائنس ہے۔ تاریخی اُتار چڑھاؤ کا یہ ایک ایسا معمّہ ہے کہ جس کا حل پالینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ اس معمّہ میں اُلجھ کر وقت نہ برباد کیا جائے بلکہ ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے سائنسی علوم کی بابت ہندوستانی مسلمانوں کا جمود جلد ازجلد ٹوٹ جائے۔ یہ بات اب کُھل کر سامنے آچکی ہے کہ نت نئے سائنسی انکشافات کے بطن سے پیدا ہونے والے معارج، تعلیمی، سماجی انقلاب کے اس دَور میں صرف وہی گروہ، عالمی برادری میں ایک باعزت مقام کا خواب دیکھ سکتا ہے جو سائنسی علوم سے آراستہ ہو اور جس کو ٹکنالوجی پر عبور حاصل ہو۔ اس کے علاوہ

الحمکة ضالة المومن

(حکمت مومن کی متاعِ گمشدہ ہے)

کے انقلاب آفریں قول کی روشنی میں دنیا کے علم ودانش میں منصب امامت کی بازیابی ہم

پر واجبات میں سے ہے۔

یہ جان کر یقیناً آپ کو خوشی ہوگی کہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں مرکز فروغِ سائنس کا قیام عمل میں آیا ہے، جس کا بنیادی مقصد ہندوستانی مسلمانوں میں سائنسی علوم کا فروغ ہے۔ یہ مرکز مسلمانوں کو سائنس کی اہمیت یاد دلانے کے ساتھ ساتھ سائنسی مضامین میں کچھ تربیتی پروگرام کا انتظام بھی کرے گا۔ گو یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک مشکل کام ہے پھر بھی ہمیں یقین ہے کہ اگر آپ کا بھرپور تعاون ہمیں حاصل رہا تو انشاء اللہ اس کام کو بخوبی انجام دیا جاسکے گا۔ اس خط کے ساتھ ہم آپ کی خدمت میں ایک سوال نامہ بھیج رہے ہیں جس کے ذریعہ ہم آپ کی درسگاہ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ سائنس کی تعلیم کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

ہمیں یقین ہے کہ آپ اس سوال نامہ کو اولین فرصت میں پُر کر کے منسلکہ لفافہ میں ہمیں واپس بھیج دیں گے اور یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے اس پروگرام کے بارے میں اپنے قیمتی مشوروں سے ہمیں نوازیں گے۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز کیش سید حامد

۱۹۸۷ء (۱۴۰۷ھ)

جواب حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ

مکرم ومحترم جناب وائس چانسلر صاحب

السَّلام عَلیکم وَرَحمَۃُ اللہ وَبَرکاتہ مزاجِ گرامی!

آنجناب کی جانب سے مرکز فروغِ سائنس سے متعلق سوال نامہ موصول ہوا، جواباً عرض ہے کہ جس طرح معاشیات، اقتصادیات وعمرانیات وتمدنیات وغیرہ بہت سے علوم وفنون انسانیت کے خادم ہیں اور آج کے اس دور میں کاروانِ حیات انسانی ان کے بغیر نہیں چل سکتا، اسی طرح فنِ سائنس بھی ہے۔ خادمِ انسانیت ہونے کی حیثیت سے اس فن کو حاصل کیا جائے اور اس سے انسانیت کی فلاح وبہبود، راحت وآسائش کا

کام لیا جائے شرعاً بالکل اجازت ہے۔

ہاں! البتہ اگر سائنس کے ذریعہ انسان کی ہلاکت کے سامان پیدا کئے جائیں، سائنسی ترقی کے بل بوتے پر طاقتور دوسرے کمزور پر ظلم کرے اور اس کے حقوق کو پامال کرے، تو شریعت سائنس کے اس غلط استعمال کو جائز نہ رکھے گی۔ اس لئے سائنسی ترقیات کی طرف توجہ مبذول کرنے سے پہلے ایسے افراد کا تیار کرنا ضروری ہے کہ جو ایمان اور عملِ صالح کی دولتِ لازوال سے مالامال ہوں اور خوفِ خداوندی ان پر ہر آن اور ہر لمحہ طاری ہو تاکہ وہ خدا ترس ہو کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بن کر تمام عالمِ انسانیت کے لئے بجائے نقصان رساں ہونے کے راحت رساں ہوں، جیسا کہ حضور اکرمؐ نے تیرہ سالہ مکی زندگی میں حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بنایا تھا اور ایسے افراد کی تیاری کا مرکز یہ دینی درسگاہیں ہیں، جن کو مدارس عربیہ کہا جاتا ہے۔ ان دینی درسگاہوں میں داخل ہو کر جب اخلاصِ نیت طلبِ صادق کے ساتھ علومِ دینیہ کو حاصل کیا جاتا ہے تو ضرور اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (الفاطر - ۲۸)

(اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔)

یا تربیت باطنی کو خانقاہ کہا جاتا ہے اس میں اخلاص اور طلب کے ساتھ قیام جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (التوبہ - ۱۱۹)

(اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے۔)

الحاصل! اہلِ سائنس جب ان مذکورہ اوصاف سے متصف ہوں گے، تو وہ تمام عالمِ انسانیت کے لئے سراسر راحت رساں ہوں گے نہ کہ ضرر رساں، جیسا کہ آج کے دور میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔

(۲) پس تقسیم کار کے اصول کے مطابق مدارسِ دینیہ کا موضوع افراد سازی ہے نہ صرف سامان سازی۔

یہ علمی ادارے دینِ اسلام کے ان علوم کی بقا و تحفظ کی خدمت انجام دے رہے

ہیں جس دین کے لئے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ. (آل عمران - ۱۹)

(بیشک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری۔)

کا اعلانِ خداوندی ہے۔ نیز ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً (المَائِدَہ - ۳)

(آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا، اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔)

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَامِ

(ہم وہ قوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی وجہ سے عزت بخشی۔)

پس ان مدارسِ دینیہ کے لئے ضروری ہے کہ یہ اپنے موضوع سے نہ ہٹیں اور دین کی جو خدمت انجام دے رہے ہیں یکسوئی کے ساتھ اس میں مشغول و منہمک رہیں، کیونکہ بیک وقت عادتاً یہ ناممکن ہے کہ ایک طالب علم دین کا بھی پوری طرح علم حاصل کر لے اور سائنس میں بھی کمال حاصل کر لے۔ پس ان دونوں علوم و فنون کا جمع کرنا، "طلبُ الکل فوتُ الکل" کا مصداق بن جائے گا۔

(۳) البتہ جو مسلمان عصری علوم کی درسگاہوں میں تعلیم پاتے ہیں ان کو مخصوص طور پر سائنسی علوم میں مہارت حاصل کرائی جائے اور وہ آج کے دور میں نئی نئی ایجادوں کے موجد بنیں اس کے لئے مرکز فروغِ سائنس کا قیام ایک مستحسن اقدام ہے۔

(۴) تقسیم کار کا اصول ہر جگہ کارفرما ہے، چنانچہ اگر مرکزی دینی درسگاہوں میں مرکز فروغِ دین قائم کیا جائے اور عصری علوم کے پڑھنے والے ان طلباء کو جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم ہیں یہ دعوت دی جائے کہ وہ اس مرکز میں آ کر علومِ دینیہ، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں کمال حاصل کریں اور اس کے بعد ان علوم کو اپنے اپنے مقامات پر عصری علوم کی درسگاہوں میں جا کر جاری کریں، تو عملاً اس کے لئے آپ

حضرات بھی تیار نہ ہوں گے، جیسا کہ اب تک کے عمل سے ظاہر ہے۔

اور اگر عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء فراغت کے بعد مرکزِ فروغِ سائنس میں داخل ہو کر سائنس کا علم حاصل کرتے ہیں تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ تو تسلیم ہے کہ ماحول کا اثر ایک طبعی امر ہے، دوسرے یہ بھی تسلیم ہے کہ تابع پر متبوع کا اثر ہوتا ہے۔ پس جب عربی طلباء جن پر پہلے دین کے ماحول کا اثر تھا دوسرے ماحول میں داخل ہوں گے تو ان پر اس ماحول کا اثر غالب ہو جائے گا، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ چنانچہ بعض وہ طلباء جو طبیہ کالجوں میں داخل ہو جاتے ہیں وہ وہاں کے ماحول سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کی وضع قطع بدل جاتی ہے حتی کہ نماز میں بھی تساہل و تغافل آجاتا ہے، بعینہ اسی طرح جو انگریزی طلباء تبلیغی جماعت میں آجاتے ہیں یا مدارس عربیہ دینیہ میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ دینی ماحول سے متاثر ہو کر دین دار بن جاتے ہیں، اس لئے عربی طلباء کا داخلہ سائنس میں خلافِ موضوع ہے اور انگریزی طلباء کا داخلہ موافقِ وضع ہے۔

(۵) یہ خیال کہ مسلمانوں کو دنیاوی امامت کا منصب محض مادی ترقیات کی بنا پر ملا تھا اور آج بھی وہ باعزت مقام ہر مادی طاقت کے ساتھ مل سکتا ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ ہر مسلمان کا بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ پختہ عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کی دین دنیا، فلاح و ترقی اور دنیا کی امامت کے منصب کا ملنا ایمان اور عمل صالح بطاعتِ کاملہ باحکام ظاہرہ و باطنہ پر موقوف ہے نہ کہ محض مادی ترقیات پر۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آلِ عمران - ۱۳۹)

(اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔)

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران - ۱۹)

(بیشک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری۔)

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جو فتح و نصرت، سربلندی و امامت اہلِ مکہ اور روم اور فارس والوں پر ملی وہ مادی سازوسامان کی بنا پر نہیں ملی، جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔ مادی سازوسامان کے

اعتبار سے تو مسلمان ان سے بہت پیچھے تھے، بلکہ یہ تمام فتح و نصرت وعدۂ خداوندی کے مطابق ایمان اور عملِ صالح کی برکت سے حاصل ہوئی۔ آج بھی یہی اٹل قانونِ خداوندی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت جاری رہے گا۔ جب مسلمانوں میں ایمان اور عملِ صالح کی یہ کمزوری ہوگئی تو دین کی برکت سے جو دنیا ملی تھی وہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔

(۶) مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کوئی قوم یا ملک خدانخواستہ اگر ایمان اور عملِ صالح کی مایہ سے عاری ہے تو وہ دنیا میں خواہ کتنی ہی مادّی ترقیات حاصل کرلے اور تمام دنیا والے مادی ترتیت میں اسے اپنا امام تسلیم کرلیں تب بھی وہ انجام کار خائب وخاسر ہے، چنانچہ نمرودی، شدّادی، فرعونی، قارونی، طاغوتی طاقتوں کا انجام ظاہر ہے، جس کی قرآن پاک شہادت دے رہا ہے اور ان کے لئے:

خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ (الحج - ۱۱)

(گنوائی دنیا و آخرت)

کا اعلان ہورہا ہے۔

(۷) بخلاف اس قوم یا ملک والوں کے جو اپنے فطری ماحول کی وجہ سے مادّی ترقیات کے اعتبار سے پسماندہ شمار کئے جاتے ہوں مگر ایمان اور عملِ صالح کی دولت لازوال ان کو حاصل ہے تو بیشک وہ مفلحین میں سے ہیں، اور دنیا اور آخرت میں کامیاب ہیں۔ اور عملِ دنیوی نقد مال ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے اور ایسے حضرات کے لئے "استخلاف فی الارض" کا وعدۂ خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (النور - ۵۵)

(اور وعدہ کرلیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کئے ہیں انھوں نے نیک کام۔ البتہ پیچھے حاکم کردے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو۔)

پس، جب یہ مسلّم ہے کہ حیاتِ انسانی کا اصل مقصد اپنے خالق و مالک رب العالمین کی عبادت و اطاعت کاملہ ہے، چنانچہ ہر ایک شعبۂ زندگی میں خواہ وہ معاملات ہوں یا معاشرات ہوں، اخلاقیات ہوں خواہ سیاسیات ہوں یا تمدنیات ان سب میں احکام

خداوندی کی پابندی لازم ہے۔ اس کو:

وَ مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (الذاريات - ٥٦)

(اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو۔)

میں صراحتاً ارشاد فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیسے کی جائے، اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ یہ دین کے صحیح علم پر موقوف ہے اور علمِ دین پوری طرح ان مدارس عربیہ میں حاصل کیا جاتا ہے۔ پس مدارس عربیہ دینیہ کے لئے تو یہی لازم ہے کہ وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے علومِ دینیہ کی تعلیم و تدریس میں مشغول و منہمک رہیں تاکہ علمِ دین کا سلسلہ جاری رہے جس پر تمام دین کی بقا موقوف ہے۔

البتہ سائنس پڑھنے والے طلباء کے لئے یہ خیرخواہانہ مشورہ ہے کہ جب وہ اپنے فن میں مہارت حاصل کر چکیں تو علمِ دین حاصل کرنے کے لئے مدارس عربیہ دینیہ کی جانب رجوع کریں، تاکہ دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے دن دونی رات چوگنی ترقیات حاصل ہوں اور:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرة - ٥)

(اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔)

کا مصداق بن کر سعادتِ دارین کے ساتھ فائز المرام ہوں۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرة - ٢٠١)

(اے ہمارے رب! دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔)

(۸) ان تمام گذارشات کے ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ استعمال مادّیات سے انکار نہیں اور کیوں کر ہو سکتا ہے جب کہ جمعِ مادّیات کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ (الانفال - ٦٠)

(اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر، اور تمہارے دشمنوں پر۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

خُذُوا حِذْرَكُمْ (النساء - ۷۱)

(لے لو اپنے ہتھیار۔)

یہ بطور کلی ہے اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا. (النساء - ۲۰۰)

(اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو۔)

پس جس زمانہ میں جن مادّی آلات کی ضرورت ہوگی ان کا حاصل کرنا ضروری ولازم زندگی ہوگا، بحکم "مَا اسْتَطَعْتُمْ" اور آج کے دور میں آلات جدیدہ کا حکم سائنس کے حصول پر موقوف ہے، پس سائنس کے حصول سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے، لیکن حصولِ علمِ سائنس ہی کافی نہیں بلکہ جمیع حصول اسباب مادّیات بھی ہوں اور یہ جمیع اسباب آلات ومادّیات موقوف ہیں مرکز پر، پس مُسلمانوں کی ترقی کے لئے نہ محض حصول تقویٰ کافی ہے اور نہ حصولِ علم سائنس، بلکہ دونوں چیزوں کی ضرورت ہے تقویٰ اور مرکز۔

تقویٰ کا حصول شرط ہے، اس سے سکون وسکینہ حاصل ہوتا ہے بدلیل:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقٰكُمْ (الحجرات - ۱۳)

(تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کو بڑھی، جس کو ادب بڑا۔)

اور مرکز کا ہونا حصولِ ترقی کے لئے علّت ہے اس سے ہیبت اور رعب بدلیل "تُرْهِبُونَ" قائم ہوتا ہے۔

ان دونوں کے حصول پر مُسلمانوں کی ترقی موقوف ہے، اس پر دلیل تیرہ سالہ زندگی، تقوی والی زندگی، مکّی زندگی ہے کہ تقویٰ تھا، مرکز نہ تھا۔ اور دس سالہ زندگی مرکز والی مدنی زندگی ہے۔ پس صحیح محکم باعزاز، بارعب وباہیبت ترقی کا مدار دو چیزوں پر موقوف ہے تقویٰ اور مرکز۔ والسلام

احقر مسیح اللہ

۲۲، محرم ۱۴۰۸ھ (مطابق ۱۶، ستمبر ۱۹۸۷ء)

خاتمِ مثنوی مولانا روم

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ

(خاندان، اجداد، مختصر حالات اور علمی خدمات)

نور الحسن راشد کاندھلوی

قصبہ کاندھلہ مغربی یوپی کی ایک قدیم اور علمی و دینی شہرت کی بستی ہے۔ اس بستی کی ابتدائی آبادی کا سبب اور وجہ تسمیہ معلوم نہیں، مقامی روایات میں اس کے نام اور اس کی ابتدائی آبادی کا رشتہ ما قبلِ تاریخ کے عہد اور جنگ مہا بھارت سے وابستہ کیا جاتا ہے، مگر اس روایت کی تصدیق آسان نہیں۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ خاصی پُرانی آبادی ہے، ممکن ہے ایک ہزار سال سے متجاوز ہو۔ اس نواح میں مسلمانوں کی اول اول آمد اور قیام کا حال بھی واضح نہیں، بعض قرائن اور دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نواح میں چوتھی صدی ہجری میں مسلمان وارد و آباد تھے، اور سید محمود سبزواری کی جھنجانہ ۵۸۸ھ میں اولوالعزمانہ، فاتحانہ تشریف آوری کے بعد غالباً اس نواح میں مسلمانوں کے اعتماد و آبادی میں خاصا اضافہ ہوا۔ اسی دور میں یہ پورا خطہ سلطنتِ دہلی کے زیرِ نگیں آگیا تھا، اور کاندھلہ نیز اطراف کے قصبات میں دربارِ دہلی سے دینی امور کی نگرانی کے لئے علماء اور قاضی مقرر کئے گئے تھے۔

کاندھلہ کی ایک ایسی قدیم شخصیت جن کا راقم سطور کو علم ہے قاضی محمد عبد اللہؒ کی تھی۔ قاضی محمد عبد اللہ غالباً قطب الدین ایبک کے عہد میں اس نواح خصوصاً کاندھلہ کے قاضی مقرر کئے گئے تھے۔ ان کے نام التمش کا فرمان محررہ ۵، صفر ۶۰۷ھ (۲۹، جولائی ۱۲۱۰ء) ۱۹۴۷ء تک موجود و محفوظ تھا۔ یہ فرمان یا اس کی نقل اس وقت دستیاب نہیں

تاہم صدیقیانِ کاندھلہ کے جائداد کے ایک مقدمہ میں اس کا تفصیلی حوالہ موجود ہے اور اس حوالہ کی استنادی حیثیت پر کسی فریق کی جانب سے بھی اعتراض نہیں کیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمان صحیح اور اہلِ کاندھلہ کی نظر میں مستند اور معتبر تھا۔

قاضی محمد عبداللہ کے عہد قضات میں اور اس کے بعد یہاں کی آبادی اور خصوصاً مسلمانوں کی کیا حیثیت تھی اور اس کے بعد تقریباً دو سو سال تک اس بستی میں امورِ دینیہ کی نگرانی قضات واحتساب کے فرائض مسلمانوں کی دیگر خدمات کی بجا آوری کی کیا ترتیب رہی، نیز یہاں ان خانوادوں اور افراد کے آنے اور قیام کی کیفیت دریافت نہیں۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے دور میں بھی قاضیوں کا تسلسل اور مسلمانوں کی غالباً خاصی آبادی رہی ہے۔

اجدادِ مفتی الٰہی بخشؒ کا کاندھلہ میں قیام

آٹھویں صدی ہجری کی آخری دہائی (تقریباً ۱۳۸۸ء) میں ساتویں صدی ہجری کے ممتاز عالم قاضی ضیاء الدین سنامی کے پرپوتے قاضی کریم الدین مذکر کاندھلہ میں مراسمِ دین کی نگہبانی اور امامت کی خدمت پر مامور تھے۔ ان کی رجب ۷۹۳ھ (آخر جون ۱۳۹۰) سے غالباً کئی مہینے پہلے وفات ہوگئی تھی، رجب ۷۹۳ھ تک ان کے فرزند مولانا قاضی شیخ محمد دربار دہلی کی منظوری اور اطلاع کے بغیر اپنے والد کی جگہ پر متعلقہ فرائض انجام دے رہے تھے، رجب ۷۹۳ھ میں جب شاہِ وقت سلطان ابوالفتح محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کاندھلہ پہونچا تو مولانا شیخ محمد نے بادشاہ کے حضور یہ سب ماجرا عرض کیا، محمد شاہ تغلق نے مولانا محمد کو قاضی کریم الدین کی مقررہ خدمات اور منصب کی بجا آوری کا اہل پایا اور مولانا کو اس قصبہ کی دینی خدمات کے لئے مقرر و مستقر کردیا، قاضی شیخ محمد خلف قاضی کریم الدین مذکر تاحیات اس خدمت پر مامور اور قصبہ کاندھلہ میں فروکش رہے، یہیں وفات پائی، اس طرح کاندھلہ اخلاف قاضی ضیاء الدین کی ایک شاخ کا مسکن قرار پایا۔

قاضی محمد خلف قاضی کریم الدین مذکر کی اولاد ماشاء اللہ خوب پھلی پھولی اور اس خاندان کی اکثر شاخوں کا صدیوں تک کاندھلہ سے وطنی تعلق قائم واستوار رہا، اور اب

بھی اس سلسلے کی متعدد شاخیں اس بستی کی خاک کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، ان شاخوں میں سے جن کا قاضی محمد خلف قاضی کریم الدین مذکر سے رشتہ جڑا ہوا ہے ایک معروف اور پربہار شاخ وہ ہے جس سے مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کے واسطہ سے حضرت مفتی الٰہی بخشؒ ان کے آبائے کرام نیز حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ وغیرہ منسلک ہیں۔

مگر اس خاندان کا جو نسب نامہ عموماً معروف اور مطبوعہ کتابوں میں درج ہے اس میں ان تمام شاخوں کا سلسلہ نسب شیخ قطب شاہ سے وابستہ دکھایا گیا ہے۔ مگر یہ روایت درست نہیں، ہزار تلاش وجستجو کے باوجود کسی معتبر ومستند ذریعہ سے سلسلہ اجدادِ مفتی الٰہی بخش کی شیخ قطب شاہ سے وابستگی کی تائید وتصدیق نہیں ہوئی بلکہ خود قطب شاہ کا وجود بھی مشتبہ ہے، قطب شاہ نامی اگر کوئی شخص تھے تو کون، کہاں اور کب تھے؟ کچھ معلوم نہیں۔ ان کے احوال، زمانہ، سلسلہ نسب نیز اُن سے خاندانِ مفتی الٰہی بخش کی وابستگی کا بھی کچھ ثبوت نہیں ملا۔

خانوادہ مفتی الٰہی بخشؒ کا شیخ قطب شاہؒ سے انتساب اور قطب شاہ کی شخصیت

حقیقت واقعہ یہ ہے جو خود بابن شاہ اور ان کے اخلاف کی معاصر تحریروں سے بے غبار ہو کر سامنے آئی ہے کہ سلسلہ خانوادہ بابن شاہ ومولانا محمد اشرف اور صدیقیانِ کاندھلہ نیز اخلاف قاضی کریم الدین مذکر ایک ہی سلسلہ کی شاخیں اور بہ تمام وکمال ایک ہی خاندان سے وابستہ ومنسلک ہیں، اخلاف مولانا محمد اشرفؒ کے خانوادہ قاضی محمد خلف قاضی کریم الدین مذکر کاندھلوی سے الگ شمار کئے جانے کی کوئی علمی بنیاد موجود نہیں ہے، بلکہ یہ روایت واطلاع کسی ایسے شخص کی غلط فہمی اور ناواقفیت کا ثمر ہے جس نے حقائق سے واقفیت کے بغیر شجرہ کی نقل وترتیب کا ارادہ کیا اور اس کی یہ غلطی بعد والوں کے لئے ایک مستقل موضوعِ گفتگو بن گئی اور اس غلطی کی وجہ سے اس خاندان کا صحیح نسب نامہ، قدیم دستاویزات وفرائض کے مندرجات نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، چونکہ اس فرضی (بے حقیقت) شجرہ کے مرتب اپنی ناواقفیت کے سبب اوپر کے صحیح شجرہ سے

خاندان مولانا محمد اشرفؒ کا رشتہ نسب منقطع کر چکے تھے، لہذا خود مرتب شجرہ یا ان کے قریبی دور کے کسی اور شخص نے (جو اصل شجرہ اور دستاویزات سے قطعاً نا آشنا تھے) قاضی شیخ محمد کے نام کے بعد شیخ قطب شاہ کا اضافہ کر دیا، ایسے شجرہ مکمل ہوا اور بڑی غلطی کا راستہ کھل گیا، اس غلط فہمی کی وجہ سے یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہو گیا کہ مفتی الٰہی بخشؒ اور اس پورے خاندان کا ماضی اور تاریخ کیا ہے اور اس کا صدیقی ہونا کس طرح صحیح ہے؟

اس خانوادہ کا امام فخر رازیؒ سے انتساب درست نہیں

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ اس خاندان کا سلسلہ نسب شہرہ آفاق عالم ومفسر امام فخرالدین رازی مؤلف تفسیر کبیر (وفات ٦٠٦ھ) سے مل جاتا ہے، یہ روایت تذکرہ مفتی الٰہی بخشؒ مؤلفہ مولانا محمد سلیمانؒ اور نزہتہ الخواطر میں درج ہے، بعد میں مولانا احتشام الحسنؒ کاندھلوی اور دوسرے اہلِ قلم نے بھی اس کو نقل کیا ہے مگر یہ روایت سراسر بے بنیاد اور ناقابلِ اعتماد ہے، اجدادِ مفتی الٰہی بخش ومولانا محمد الیاسؒ کے سلسلہ نسب کی جو نئی پرانی نقلیں دستیاب ہیں ان میں سے کسی میں بھی فخرالدین محمد نامی کسی شخص کا ذکر نہیں۔

نیز امام رازی کا صدیقی ہونا بھی مشتبہ ہے، امام فخرالدینؒ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین

اور یہ نام اس ترتیب سے خاندان کے کسی بھی فرد کے شجرہ میں درج نہیں لہذا یہ تمام قصہ ہی غلط ہوا۔

قاضی ضیاء الدین سُنامیؒ سے انتساب کے شواہد

میرا خیال یہ ہے کہ خاندان مفتی الٰہی بخشؒ کے قطب شاہؒ سے وابستگی کے افسانہ کی عمر سوا سو سال سے زائد نہیں، اگر قطب شاہؒ کی موجودگی کی کچھ حقیقت ہوتی تو مفتی صاحب کی بیاضوں، تحریروں اور اس خاندان کے دوسرے بزرگوں کی متعلقہ یادداشتوں اور کاغذات میں اس کا تذکرہ آنا چاہیئے تھا، لیکن برائے نام ایک بھی تحریر ایسی نہیں ملتی جس میں اس کا ذکر ہو۔

لیکن اس کے بالکل برعکس بابن شاہ اور خانوادہ مفتی الٰہی بخشؒ کے مولانا قاضی شیخ محمدؒ خلف قاضی کریم الدینؒ کی اولاد میں ہونے کی بے شمار دستاویزات سے تائید ہورہی ہے۔

اول: اکبر، شاہجہاں اور عالمگیر کے عہد کے اصل فرامین جن کی پشت پر خانوادہ قاضی محمد کے ورثاء کے نام درج ہیں، جس میں شیخ نور محمد عرف بابن شاہؒ اور ان کے حقیقی بھائیوں کا کئی موقعوں پر صاف صاف اندراج ہے

دوم: بابن شاہ کے فرزند، مولانا شیخ جمال محمد، مولانا شیخ کمال محمد اور شیخ منصور کے نام فرامین۔ بیعناموں اور فرائض (ترکہ) کے کاغذات میں ان سب کے از اولاد بابن شاہ ہونے کی صراحت ہے۔

سوم: قاضی غلام حسین متوفی ۱۲۵۸ھ (معاصر مفتی الٰہی بخش) کا رجسٹر جس کے متعدد اندراجات میں بابن شاہ اور مولانا شیخ جمال محمد کو بادشاہوں کی طرف سے عطا اراضی پر مفتی صاحب کا نام بحیثیت وارث وقابض لکھا ہے۔

چہارم: مولانا ابوالحسن ومولانا نورالحسن کاندھلوی (اخلاف مفتی الٰہی بخشؒ) کی ۱۸۳۶ء کے بندوبست کے موقع پر کمشنر بندوبست کو پیش کی گئی دستاویزات وفرامین، جس میں مولانا نے خود کو جمال محمد شاہ وغیرہ کا جائز وارث اور ان کی جائیداد کا مالک وقابض دکھایا ہے اور کمشنر کی تحقیقات نے اس کی تصدیق کی ہے جو ان دستاویزات کے بعض اندراجات سے ظاہر ہے۔

پنجم: سرسید احمدؒ کی ایک تحریر جس میں مفتی الٰہی بخش نیز مولانا نورالحسن کاندھلویؒ اور ان کی اولاد کو قاضی ضیاء الدین سُنامی کی اولاد اور ان کی جائیداد کا صحیح قابض بتایا ہے، جو قاضی شیخ محمد تغلق کے فرمان محررہ ۷۹۳ھ کے ذریعہ ملی تھیں۔ سرسید احمد کی اس تحریر کی بوجوہ خاص اہمیت ہے، سرسید احمد نہایت مبصر وباخبر نیز اطراف دہلی کے افراد اور خاندانوں سے وسیع واقفیت رکھنے والے شخص تھے، اس کے علاوہ ان کی تاریخ پر بھی گہری نظر تھی۔ وہ اہم ترین تاریخی کتابوں کی تصحیح واشاعت کی خدمت انجام دے چکے تھے۔ مزید یہ کہ سرسید احمد کے خانوادہ مفتی الٰہی بخش سے قدیم خاندانی

تعلقات تھے۔ خود سرسید احمد نے لکھا ہے:

"اس خاندان سے اور میرے خاندان سے کئی نسلوں سے، بہت زیادہ تعارف رہا ہے۔"

اورخانوادۂ مفتی الٰہی بخشؒ کے اُس وقت موجود اکابر کی نگاہ میں بھی سرسید احمد کی خاص وقعت تھی، سرسید نے برسوں مولانا نور الحسنؒ سے استفادہ کیا اور تعلیم پائی اور تاحیات اس گھرانے سے اپنے گھر اور قریب ترین عزیزوں کا سا معاملہ رکھا، اس پس منظر میں سرسید احمد اگر یہ لکھیں کہ:

"یہ خاندان حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفۂ اوّل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں ہے۔ اب سے پانچ سو برس گذرے بعہد سلطنت فیروز شاہ تغلق یہ خاندان ہندوستان کے اس حصہ میں آ کر آباد ہوا۔ یہ خاندان اب تک ان اراضیات پر قابض ہے جو اس کو بہ موجب اصلی فرمان رجب ۷۹۳ھ عطا کردہ محمد شاہ تغلق (جس کا زمانہ سلطنت بہت قلیل رہا ہے) عطا کئے گئے ہیں[۲۳]" — تو اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔

درج بالا شواہد کی روشنی میں ہمیں یہ کہنے میں کچھ بھی تأمل نہیں کہ صحیح سلسلہ وہی ہے جو قاضی کریم الدین مذکر کے واسطے سے ہے اور قاضی ضیاء الدین سنامی تک ہوتا ہوا حضرت ابو بکر صدیق تک پہونچتا ہے۔ نیز گزشتہ تقریباً پچاس سال میں جن کتابوں اور تحریرات میں مفتی صاحب کا سلسلہ نسب بہ واسطہ شیخ محمد فاضل و شیخ قطب نقل کیا گیا ہے وہ یکسر غلط، موجودہ ماخذ و شواہد کی روشنی میں ناقابل تسلیم اور فرضی ہے، اس کی صداقت اور استناد پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا قاضی محمد مذکر کے عہد سے مفتی الٰہی بخش تک ہر دور کی، ہر عہد کی درجہ بہ درجہ دستاویزات کی تاحال موجودگی نسب نامہ خاندان مفتی الٰہی بخش کے قطب شاہ سے انتساب کی تردید کے لئے کافی ہے۔ تفصیلات کے لئے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے، یہاں اس کا موقع نہیں ہے[۲۴]

قاضی ضیاء الدین سے سیدنا ابو بکر صدیقؓ تک

قاضی ضیاء الدین کا نام نامی محمد، ان کے والد ماجد کا عمر، دادا کا عوض ہے۔ قاضی صاحب کے جد عوض سے حضرت ابو بکر صدیقؓ تک سلسلۂ نسب تذکرہ نگاروں نے

نقل نہیں کیا، لیکن قاضی صاحب کے متعدد صاحبزادے تھے ان کی اولادیں برصغیر کے مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی تھیں اور ان سب کا صدیقی ہونا تقریباً متواتر و متعارف ہے۔ نسب نامہ خاندان قاضی ضیاء الدین سُنامی کا یہ نہایت اہم پہلو مولانا محمد علی صدیقی ؒ کاندھلوی کی کوشش سے دریافت ہوا، مولانا کی تحقیق یہ ہے کہ قاضی ضیاء الدین کا سلسلۂ نسب دو واسطوں سے صدیقیانِ سہرورد کے اس مبارک سلسلہ سے مل جاتا ہے جو شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ اور ان کے نامور برگزیدہ بھتیجے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہے[٦]۔

مولانا محمد علی کاندھلوی اس نتیجہ پر پہونچے تھے کہ قاضی ضیاء الدینؒ کے دادا عوض، شیخ شہاب الدین سہروردی کے حقیقی بھائی تھے اور جعفر بن محمد کے فرزند تھے۔ اگر مولانا محمد علی کی یہ تحقیق صحیح ہے تو مفتی الٰہی بخش کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک مکمل نسب نامہ اس طرح ہے:

"مولانا مفتی الٰہی بخشؒ، خلف مولانا محمد عرف شیخ الاسلام، بن حکیم قطب الدین بن حکیم عبدالقادر بن مولانا محمد شریف بن مولانا محمد اشرف بن مولانا جمال محمد بن مولانا نور محمد عرف بایزید شاہ بن مولانا قاضی بہاء الدین بن مولانا شیخ محمد بن قاضی کریم الدین مذکر بن امام تاج الدین مذکر بن امام حاج بن قاضی ضیاء الدین[٧] محمد بن عمر بن عوض۔

بن ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ عمویہ بن سعد بن حسین بن قاسم بن نضر[٨] بن قاسم بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ[٩]۔"

ابوجعفر محمد واعظ بغدادی

ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بغداد کے مشہور واعظ اور فقیہ تھے، بغداد میں اسعد یمنی سے فقہ پڑھی اور وعظ سیکھا، بعد میں قاضی بغداد مقرر ہوگئے تھے، یوسف دمشقی لکھتے ہیں کہ میں نے جامع قصر اور نظامیہ میں ابوجعفر محمد کا وعظ سنا ہے، ابوجعفر محمد کے مشہور فرزند شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (ولادت رجب ٥٣٩ھ) چھ مہینے کے تھے، اس وقت ابوجعفر محمد قتل کردیئے گئے تھے۔

اس خاندان کی ہندوستان میں آمد

ممکن ہے یہی واقعہ عوض (بن ابوجعفر محمد) کے ترکِ وطن کا سبب ہوا ہو یا اس مہاجرت و مسافرت کا کوئی اور سبب تھا جو ہمیں معلوم نہیں، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ عوض ابن محمد بن جعفر نے بغداد سے کب رختِ سفر باندھا اور کب ہندوستان وارد ہوئے۔ مختصر طور پر صرف یہ معلوم ہے کہ وہ ہندوستان آکر شاہی ملازمت سے وابستہ ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے بلند ترین عہدوں پر پہونچے[١٠]

محمد بن عوض

محمد بن عوض پائے کے عالم تھے، ضیاء برنی نے قاضی ضیاء الدین کے تذکرہ میں محمد بن عوض کو استاذِ عہد شمار کیا ہے[١١] معزالدین بہرام شاہ کے عہد حکومت (٦٣٧ھ تا ٦٣٩ھ مطابق ١٢٤٠ء تا ١٢٤٢ء) میں پورے ملک کے آڈیٹر جنرل (AUDITOR GENRAL - مستوفی) کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز تھے اور ایک دور ایسا بھی آیا تھا جب پورے ملک کا انتظام اور تمامتر اختیارات و وسائل اُختیارالدین (نائبِ سلطان) نظام الدین (مہذب الدین) اور محمد بن عوض مستوفی نے اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے اور بادشاہ کو گویا معطل کر دیا تھا۔ یہ بات بادشاہ کی ناخوشی کا سبب ہوئی اور اس نے نائبِ سلطان کو سرِ دربار قتل کروادیا تھا[١٢] ممکن ہے اس وقت محمد بن عوض پر بھی عتاب نازل ہوا ہو۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ منہاج سراج نے نظام الملک کے قتل کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اپنی پوری کتاب (طبقات ناصری) میں محمد بن عوض کا کہیں بھی تذکرہ نہیں کیا۔

ایک غلط فہمی کی وضاحت

آغائے جیبی نے غالباً سہواً نظام الملک مہذب الدین اور محمد بن عوض مستوفی کا اس طرح ذکر کیا ہے جیسے یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں[١٣] لیکن یہ درست نہیں۔ یہی

غلطی نزہۃ الخواطر میں بھی جگہ پا گئی ہے[۱۴]۔ مولانا حسنی نے بھی محمد بن عوض مستوفی اور نظام الدین مہذب الدین کا ایک ہی عنوان کے تحت ذکر کیا ہے مگر یہ بھی صحیح نہیں۔ نظام الملک نائبِ سلطان تھے اور محمد بن عوض مستوفی۔

قاضی ضیاء الدین سُنامیؒ

محمد بن عوض کی اولاد کی تفصیل ہم دست نہیں مگر ان کے ایک صاحبزادے کا تذکرہ علماء ہند کی تاریخ کا غازہ ہے ـــــ یہ فرزندِ والاشان اپنی دینی اصابت وصلابت اور اتباعِ سنّت میں نادرۂ روزگار، احکامِ شریعت کی حرف بحرف پاسداری میں فرد اقران وامثال اور شریعت کی معمولی خلاف ورزی اور طریقۂ سنت سے سرمو انحراف کی صورت میں بڑے بڑوں کو سرِ مجلس بلاتامل تبلیغ ونصیحت کرنے میں نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ تاریخ اسلام کی نادر شخصیات میں سے ایک ہیں۔

ان کا نام نامی محمد اور لقب ضیاء الدین ہے جن کی زندگی کا اگرچہ اکثر حصہ دہلی میں گذرا مگر سُنامی نسبت سے مشہور ہیں۔

قاضی ضیاء الدین سُنام میں[۱۵] تولد ہوئے، ابتدائی زندگی وہیں گذری، مولانا کمال الدین سنامی سے تعلیم حاصل کی اور طویل عرصہ تک ان کی خدمت میں حاضر رہے۔

تعلیم اور علمی سفر کی تفصیلات دریافت نہیں، صرف یہ معلوم ہے کہ بعد میں دہلی آگئے تھے، یہاں دینی خدمات میں زندگی بسر فرمائی، فقہ، تفسیر، حدیث اور وعظ میں اپنے وقت کے امام تھے[۱۶]، اتباعِ سنت تقویٰ اور دعوتِ حق میں فردِ اقران رہے۔ شریعت کی قدم بہ قدم پابندی واشاعت اور غیر مسنون باتوں کی مخالفت میں بڑے بڑوں کی پروانہیں کرتے تھے، یہاں تک حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور بوعلی شاہ قلندرؒ جیسے اکابرین کو بھی برملا تبلیغ وتنبیہ فرماتے تھے۔ یہ حضرات بھی قاضی صاحب کے اخلاص اور اتباع شریعت وسنت کے بے حد مداح ومعترف تھے اور قاضی صاحب کے احکام وہدایات کی تعمیل فرماتے رہتے تے، قاضی صاحب کا تذکرہ فرماتے ہوئے شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں:

"معاصر شیخ نظام الدین اولیاء بود، دائم شیخ از جہت سماع احتساب کردو شیخ باوے جز بمعذرت وانقیاد پیش نیامدے، ودر تعظیم مولانا دقیقہ نامرعے نگذاشتے۔"[۱۷]

(ترجمہ: حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے زمانہ میں تھے اور ہمیشہ شیخ کا (سماع کے ذوق کی وجہ سے) محاسبہ کرتے رہتے تھے اور شیخ (نظام الدین) معذرت اور سر جھکانے کے علاوہ کچھ نہ فرماتے تھے اور قاضی صاحب کی تعظیم میں کسی پہلو سے بھی کوتاہی نہ فرماتے تھے۔)

قاضی صاحب کا وعظ معلومات، حسنِ بیان، قوتِ تاثیر اور حاضرین کی کثرت کی وجہ سے مشہور وممتاز ترین حلقۂ وعظ تھا، ضیاء الدین برنی نے قاضی صاحب کی مجلسِ وعظ، تبحرِ علمی اور بڑی تعداد میں سامعین کی موجودگی کا تذکرہ کیا ہے[۱۸]۔ مگر چوں کہ برنی حضرت نظام الدین اولیاء کا وابستۂ دامن ہے اور قاضی صاحب نے حضرت کے ذوقِ سماع پر کئی مرتبہ نکیر کی، اس لئے برنی قاضی صاحب سے ناخوش ہے مگر ناخوشی کے باوجود کمال کا اعتراف، برنی کے وسعتِ ظرف اور قاضی صاحب کے مرتبہ وکمال کی بڑی سند ہے۔

قاضی صاحب کی متعدد اعلیٰ درجہ کی تصنیفات یادگار ہیں جس میں نصاب الاحتساب اپنی فنی اہمیت اور خصوصیات کی بنا پر نہایت مشہور وممتاز ہے، قاضی صاحب کی دیگر تصنیفات ہیں تفسیر سورہ یوسف، فتاویٰ ضیائیہ (مجموعہ فتاوی) رسالہ نکاح اور شرح منظومۂ عثمانی اور ایک رسالہ جس کے نام کی تحقیق نہیں معلوم ہیں۔

قاضی صاحب کا صحیح سنہ وفات معلوم نہیں، مقام وفات اور مدفن کے متعلق بھی دو روایتیں ہیں، مشہور روایت وہ ہے جو عموماً نقل کی جاتی ہے اور شیخ عبدالحق نے بھی اخبار الاخیار میں درج کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء قاضی ضیاء الدین سُنامی کے مرضِ وفات میں مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے اور اس ملاقات کے فوراً بعد قاضی صاحب رحلت فرما گئے، حضرت نظام الدین اولیاء روتے تھے اور افسوس فرماتے تھے کہ:

"یک ذات بود حامی شریعت حیف نہ ماند"[۱۹]

مگر مولانا ابوالوفا افغانی کی تحقیق یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت نظام الدینؒ

اولیاء کا حوالہ درست نہیں، قاضی صاحب کی خلد آباد میں وفات ہوئی اور یہ واقعہ حضرت برہان الدین غریبؒ (وفات ۷۴۰ھ) کے ساتھ پیش آیا تھا، مولانا افغانی کی اطلاع کی بنیاد شیخ برہان الدین غریب کے خلیفہ شیخ زین کا مجموعۂ ملفوظات ہے جس میں یہ واقعہ درج ہے اور بظاہر یہی روایت درست ہے۔[۲۰]

قاضی صاحب کی اولاد

قاضی ضیاء الدین سُنامی کے متعدد لائق وفائق صاحبزادے تھے، احمد علی خیر آبادی کا قول ہے:

"چندیں پسران لائق داشت یکے زین العابدین، پسرش قاضی معین الدین ایرجی۔"
(ترجمہ: ان کے کئی لائق فائق بیٹے تھے، ایک زین العابدین جن کے بیٹے معین الدین ایرجی تھے[۲۱])

دو صاحبزادے میر عبدالواحد بلگرامی کی اطلاع کے مطابق قاضی سُنامی کی حیات کے آخری ایام میں چند دنوں کے وقفہ سے وفات پاگئے تھے[۲۲] منجملہ صاحبزادگان کے ایک بیٹے امام حاج کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا صحیح نام معلوم نہیں، ان کے بیٹے تاج الدین تھے جو امام تاج کے نام سے متعارف تھے، تاج الدین کے فرزند قاضی کریم الدین مذکر ہوئے اور یہ بھی امام قاضی کریم الدین کے عنوان سے پہچانے جاتے تھے، جیسا کہ محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے اور ان کے بیٹے بھی امام کے نام سے موسوم ہوئے۔

قاضی کریم الدین مُذکر کا جیسا کہ اوپر گذر گیا ہے، کاندھلہ میں منصبِ امامت کے لئے انتخاب وتقرر ہوا تھا، قاضی کریم الدین مذکر کا اس عہد کی بعض تحریروں میں مجمل تذکرہ ملتا ہے۔ مگر ان کے حالات اور تفصیلی معلومات دستیاب نہیں، قاضی کریم الدین مذکر کاندھلہ میں مفوضہ خدمات انجام دے رہے تھے، اسی دوران ۷۹۲ھ (۱۳۹۰ء) سے پہلے کسی وقت ان کی وفات ہوگئی۔ اس زمانہ میں محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کاندھلہ کے نواح میں پہونچا، اس وقت مولانا کریم الدین مذکر کے بیٹے مولانا محمد والد کی جگہ مقرر کئے گئے، اس کے بعد یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی اولاد میں جاری رہا۔

قاضی محمد کے ایک بیٹے مولانا قاضی بہاء الدین تھے۔ ان کے کئی بیٹے ہوئے، شیخ حافظ ولی محمد عرف ماہنؒ، شیخ محمد عرف ماہنؒ، مولانا نور محمد عرف بابن شاہ، اس دور کی مجمل یادداشتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تینوں عالم فاضل، صاحبِ کمال شخص تھے۔ مولانا نور محمد بابن شاہ کے نام

کے ساتھ طالب علم کی بھی صراحت ہے۔ یہاں طالب علمی سے رسمی طالب علم مراد نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہوتا ہے جس کا مستقل مشغلہ اور مصروفیت پڑھنا پڑھانا ہو۔

مولانا شیخ نور محمد تقریباً ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) میں یا اس کے بعد کسی وقت کاندھلہ سے جھنجھانہ منتقل ہوئے، اس کی وجہ بظاہر وہ چار سو شر بیگہ آراضی مددِ معاش تھی جو اکبر کے فرمان کے مطابق ان کو نواح جھنجھانہ میں عطا کی گئی تھی، کیونکہ اکبر نے اپنے ایک اور فرمان کے ذریعہ مددِ معاش پانے والوں کو پابند کردیا تھا کہ وہ اپنی مقامات پر قیام کریں جہاں ان کی اراضی مددمعاش ہیں۔

شیخ نور محمد کے تین صاحبزادے ہوئے، مولانا شیخ جمال محمد، شیخ کمال محمد اور منظور عرف گھاسی، شیخ کمال کی کسی اولاد کا ہمیں علم نہیں، شیخ منظور کے اخلاف کیرانہ منتقل ہوگئے تھے مگر شیخ جمال محمد کاندھلہ میں ہی فروکش رہے، مولانا جمال محمد کے فرزندِ ارجمند مولانا محمد اشرف تھے جو غالباً دادا صاحب کی قربت وپاسداری کی وجہ سے جھنجھانہ میں قیام فرماتے تھے۔ مگر مولانا محمد اشرف نے بھی اپنی بیٹیوں کے نکاح کاندھلہ میں کیے۔

اس خاندان کا جھنجھانہ سے عارضی تعلق

مولانا محمد اشرف اس خانوادہ کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے جھنجھانہ میں مستقل اقامت پسند فرمائی، مولانا محمد اشرف کے اخلاف کا تین نسلوں تک جھنجھانہ میں قیام رہا، لیکن جس طرح مولانا محمد اشرف کی صاحبزادی کا نکاح کاندھلہ اپنے خاندان کی شاخ میں ہوا تھا، اسی طرح بعد کے اصحاب کے بھی کاندھلہ سے نکاح و ازدواج کے مراسم قائم رہے، مفتی الٰہی بخش کے جد مولانا حکیم قطب الدین کاندھلہ واپس آگئے تھے۔ یہیں مولانا شیخ الاسلام کی ولادت ہوئی۔ اس طرح:

پہنچے وہیں جناب جہاں کا خمیر تھا

مولانا محمد اشرف جھنجھانویؒ

شیخ جمال محمدؒ نے وسط گیارہویں صدی ہجری میں وفات پائی۔ ان کے صرف

ایک فرزند حضرت مولانا محمد اشرف تھے جو اپنے کمالاتِ علمی، روحانی عظمت اور اخلاق و معرفت کی بلندی کی وجہ سے اشرفِ زمانہ ہوئے، مولانا محمد اشرف کے عہد طفولیت اور تعلیم اساتذہ سے متعلق معلومات کا فقدان ہے، مگر یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے زمانے کے ممتاز ترین علماء میں شمار کئے جاتے تھے، اور اس زمانے کے مشائخ و اکابر کی نظر میں فخرِ اقران تھے، مولانا محمد اشرف کے کمالِ علم اور بلند مقامی کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے نادرۂ روزگار علماء استفادہ اور ملاقات کے لئے مولانا کے پاس آتے رہتے تھے اور ان کے دور میں جھنجھانہ میں موجود ممتاز ترین علمی و روحانی شخصیتیں مثلاً شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی کے فرزندانِ عالی مقام شیخ ابونصر جمال محمد اور ابوالکرم مزکی محمد، مولانا محمد اشرف کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے اور ایسی کتابوں اور تصنیفات کو جو ان صاحبان کی فرمائش اور نگرانی میں لکھی گئیں مولانا اشرف کی نظر سے گذارنا بڑی سعادت اور اعتماد و کمال کی سند خیال کرتے تھے[۲۳]

مولانا محمد اشرف علم و عمل کی طرح فقر و توکل اور استغنا اور استقامت میں بھی فردِ فرید تھے، مولانا کے جو حالات معلوم ہیں ان میں ان کے استغناء اور استقامت کا یہ واقعہ قابلِ ذکر اور لائقِ تقلید ہے۔

شاہجہاں نے مولانا محمد اشرف کے کمالاتِ علم و عمل کا شہرہ سنا تو مولانا کو دہلی آنے کی دعوت دی، مولانا کی تشریف آوری کے لئے پالکی اور رفاقتِ سفر کے لئے سپاہیوں کا ایک دستہ جھنجھانہ کے لئے روانہ کیا، مولانا کو اس کا علم ہوگیا کہ شاہی قاصد شان و شوکت کے ساتھ ان کو لینے آرہے ہیں تو اس سے پہلے کہ ان لوگوں سے مولانا کی ملاقات ہوتی، مولانا خاموشی کے ساتھ پیادہ پا جھنجھانہ سے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ دہلی پہونچ کر اپنے متوسل ایک امیر کے ذریعہ سے بادشاہ سے ملاقات کی، شاہجہاں نے اپنے وزیر اعظم علامی سعد اللہ خاں کو مولانا کے فضل و کمال کا امتحان لینے کا اشارہ کیا، سعد اللہ خاں نے مولانا سے مختلف علمی مسائل پر مفصل گفتگو کی، اور ہر موضوع پر مولانا کو بے مثال و یگانہ پایا، تو بادشاہ سے کہا:

"شیخ را دریائے یافتم کہ کنارہ او پیدا نیست۔"
(ترجمہ: شیخ کو میں نے ایسا دریا پایا ہے جس کا کنارہ معلوم نہیں۔)

اس کے بعد بادشاہ نے مولانا کی خدمت میں دو ہزار بیگہ زمین کا فرمان پیش کیا۔ مولانا نے اس کے قبول کرنے سے معذرت کی اور فرمایا:

"خدا رزاق ما است، نہ بادشاہ، من برائے عمل بر آیت حکم "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واُولی الامر منکم، آمدہ بودم نہ برائے تحصیلِ املاک۔"

(ترجمہ: اللہ تعالی ہمارا رازق ہے، بادشاہ نہیں۔ میں آیت شریفہ "تم اللہ تعالی کا کہنا مانو اور تم میں جو اہلِ حکومت ہیں ان کا بھی" پر عمل کرنے کی نیت سے آیا تھا، جائیداد حاصل کرنے نہیں آیا۔)

بعد میں وہ فرمان مولانا کے صاحب زادوں اور ورثاء کے نام منتقل ہوا۔ (یہ واقعہ ۲۶، شوال سنہ جلوس ۲۰ مطابق ۱۰۵۶ھ کا ہے۔ مولانا کے استغنا اور توکل کا ایک اور مثالی واقعہ مولانا محمد ساجد جھنجھانوی (متوفی ۱۲۰۸ھ) نے اپنی بیاض میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ و ترجمہ یہ ہے کہ:

"مولانا کے یہاں اخلاص و تنگ دستی کا بسیرا رہتا تھا حالانکہ ارشاد و تلقین اور درس و تدریس کی وجہ سے طلباء اور آنے جانے والوں کا جم غفیر رہتا تھا، ایک مرید کو جو سونا بنانا جانتا تھا مولانا کے اس فقر و تنگدستی کا احساس ہوا وہ تقریباً دو سیر سونا لیکر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں کیمیا جانتا ہوں، آپ کے یہاں فقر و فاقہ رہتا ہے، بادشاہ کے عطیات اور وظیفہ قبول نہیں فرماتے اس لئے میں یہ سونا طلباء کے خرچ کے لئے لایا ہوں۔ مولانا نے فرمایا، اس کو مسجد میں دفن کر دو، ضرورت ہو گی تو لے لوں گا، مرید نے وہ سونا مسجد کی محراب میں دفن کر دیا اور مولانا کے یہاں سے رخصت ہو گیا، کچھ عرصہ بعد لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ حالات پہلے سے بھی گئے گذرے ہیں، اس حال کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مولانا کی خدمت میں عرض کیا، اگر وہ سونا خرچ ہو گیا ہے تو اور موجود ہے، مولانا نے فرمایا کہ محراب میں دیکھ لو! دیکھا تو جو سونا مرید دفن کر کے گیا تھا وہ اسی طرح

موجود ہے، مرید سونے اور اپنے عطیہ کی ناقدری سے غمگین وملول ہوا اور مولانا سے عرض کیا، آپ اس کی قدر نہیں کرتے، لوگ کیمیا کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں، اگر اجازت ہو تو کچھ اور سونا حاضر کروں، مولانا اس وقت مسجد سے باہر ایک ڈھیلے سے استنجا خشک کر رہے تھے اس کی یہ بات سن کر وہ ڈھیلا ایک پتھر پر مارا جو اسی وقت سونے میں تبدیل ہوگیا اور مولانا نے اس مرید کو خطاب کر کے فرمایا:

"ایں ہر دو را بہ خانہ خود بہ۔ برفقر ما برائے متابعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقر اختیاری است نہ اضطراری۔"

(ترجمہ: ان دونوں کو اپنے گھر لیجاؤ، ہمارا فقر و فاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں فقر اختیاری ہے، فقرِ اضطراری نہیں ہے۔)"

مولانا محمد اشرف کی صحیح تاریخِ وفات دریافت نہیں، تاہم بعض دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۶۰ھ کے قریب مولانا کی وفات ہو چکی تھی، مزار جھنجھانہ میں ہنوز موجود ہے۔

مولانا محمد اشرف کے دو صاحبزادے تھے محمد شریف اور عبد المقتدر[۲۴] موخر الذکر کے متعلق اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں کہ ان کی وفات شوال ۱۰۹۵ھ سے پہلے ہوگئی تھی۔

مولانا محمد شریف

مولانا محمد شریف بھی اپنے والد ماجد کی طرح علم و عمل میں یکتا، درس و سلوک میں منفرد اور ممتاز تھے، مولانا محمد شریف کے متعلق بھی بہت کم معلومات دستیاب ہیں، سنہ ولادت اور ابتدائی تعلیم کا حال یقینی طور پر معلوم نہیں، بظاہر ابتدائی تعلیم اور درسیات اپنے والد مولانا محمد اشرف سے اخذ کیں۔ منتہیانہ کتابیں اور حدیث و فقہ کی اعلیٰ ترین تعلیم محدث جلیل حضرت شیخ وجیہ الدینؒ گجراتی کے حلقۂ درس میں حاصل کی، مولانا نے شیخ وجیہ الدین سے سلوک و معرفت میں بھی عرصہ دراز تک استفادہ کیا اور سلسلہ عالیہ شطاریہ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، متعدد تذکرہ نگاروں نے مولانا محمد شریف کا شیخ وجیہ الدین کے ممتاز ترین خلفاء میں شمار کیا ہے[۲۵]

تالیفات و تراجم

مولانا نے اپنی پوری زندگی، عبادت وافادہ، درس و تعلیم اور تصنیف و ترجمہ کی خدمات اور سلسلہ شطاریہ کی تعلیمات عام کرنے میں بسر فرمائی۔ مولانا کی جدوجہد سے شیخ وجیہ الدین کے افادات وتحقیقات کا دائرہ عام ہوا اور اس کے فوائد وثمرات دور دور تک پہونچے، مولانا محمد شریف نے شیخ وجیہ الدینؒ کی تعلیمات اور افادات ومعرفت کا ایک ضخیم وگراں مایہ مجموعہ "لطائف الصوفیہ" کے نام سے تیار فرمایا، نیز شطاریہ سلسلہ کے طریقہ تعلیم وتربیت اور متعلقات پر کئی کتابیں لکھیں۔ "اطوار در کشف مشرب شطار" اور "مصباح الاشباح" وغیرہ تصانیف کا اسی سلسلہ سے تعلق ہے۔

مولانا محمد شریف نے ہندو مذہب وفلسفہ کی کتابوں کے سنسکرت سے فارسی ترجمے کئے، منجملہ ان کتابوں کے "عجائب الافکار"، "رسالہ انفاس"، "اطوار در حل اسرار"، "انوار در کشف اسرار" وغیرہ شامل ہیں[٢٦]۔ یہ کتابیں نہ صرف ہندو مذہب کی بعض تعلیمات اور اس کے فلسفہ، تصوف کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں بلکہ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کا ہندو مذہب وفلسفہ کی طرف کس قدر رجحان تھا اور یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سلسلہ شطاریہ کی متاخر تعلیمات میں جوگ کے اثرات کس طرح داخل ہوئے، اس کے علاوہ بھی مولانا کی بعض اور تصنیفات ہیں۔

مولانا نے طویل عمر پائی، جو غالباً سو سال سے متجاوز ہوئی۔ ٢١، جمادی الاخریٰ ١٠٨٨ھ (جولائی ١٦٧٧ء) تک حیات تھے[٢٧]۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔

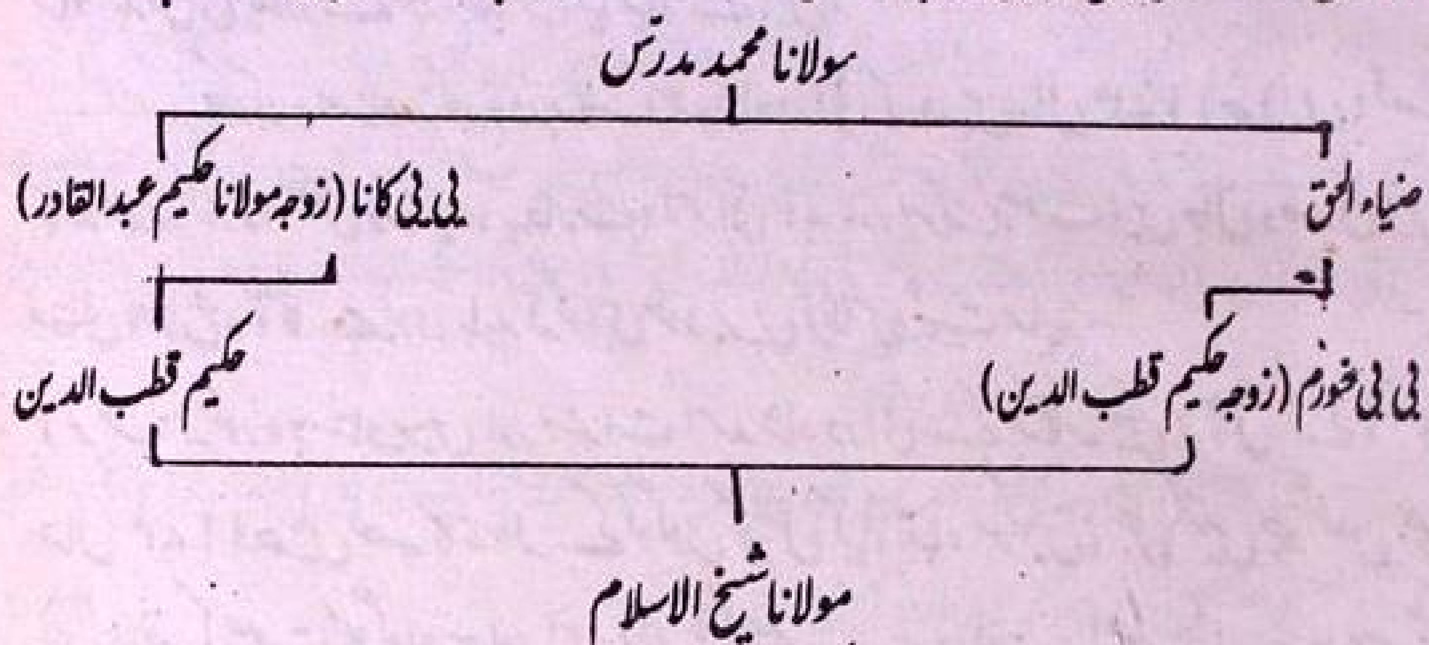
اولاد واحفاد

مولانا محمد شریف کے تین صاحبزادے ہوئے۔ مولانا شیخ ابوالحسن جو لاولد تھے، مولانا حکیم عبدالقادر جو حضرت مفتی الٰہی بخش کے جد ہیں، اور مولانا فیض محمد جو حضرت مولانا محمد الیاس وغیرہ کے پردادا ہیں۔ حکیم عبدالقادر کے بھی دو فرزند تھے، قطب الدین وشرف الدین۔ قطب الدین کے تین بیٹے ہوئے جس میں مولانا محمد عرف شیخ الاسلام

بھی شامل ہیں، مولانا شیخ الاسلام مفتی الٰہی بخش کے والد ماجد تھے۔

خانوادۂ مولانا حکیم قطب الدین کی جھنجھانہ سے کاندھلہ واپسی

حکیم عبد القادر کی اہلیہ محترمہ کاندھلہ کی تھیں اور مولانا حکیم قطب الدین کا نکاح بھی اسی خاندان میں بی بی خورم دختر شیخ محمد ضیاء الحق خلف مولانا شیخ محمد مدرس سے ہوا تھا، دونوں خاندانوں میں قریبی روابط کا اس نقشہ سے بہتر طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے:



شیخ محمد ضیاء الحق کی مولانا محمد مدرس کی حیات میں وفات ہوگئی تھی اور ان کی اکلوتی اولاد بی بی خورم تھیں اس لئے مولانا حکیم قطب الدین اپنی خوشدامن کے اصرار پر جھنجھانہ کی سکونت ترک کر کے کاندھلہ آگئے تھے، یہیں مولانا حکیم شیخ الاسلام تولد ہوئے اور اس طرح یہ خانوادہ چار نسلوں کے بعد کاندھلہ واپس پہونچا۔

اس خاندان کے بزرگوں کے حالات اور کتابیں نہ ملنے کی وجہ

افسوس ہے کہ مولانا حکیم عبد القادر سے مولانا حکیم شیخ الاسلام تک ان تینوں نسلوں کے افراد کے نام کے علاوہ کچھ معلوم نہیں اور اس سے پہلے بزرگوں سے متعلق بھی بہت کم معلومات دستیاب ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی الٰہی بخش کے والد مولانا شیخ الاسلام کا تمام علمی ذخیرہ اور جملہ خاندانی دستاویزات و کاغذات بلکہ مکانات و رہائش گاہ تک مختصر مختصر وقفہ سے کئی مرتبہ لوٹ مار کا شکار ہوئیں اور نذر آتش کی گئیں۔

سب سے بڑا نقصان اس وقت ہوا جب احمد شاہ ابدالی کا لشکر اس علاقہ سے

گذرا، اور اس نے اس علاقہ کے تمام باشندوں کے ساتھ سخت ناروا سلوک کیا۔ اکثر سامان لوٹ لیا، کتابوں، کاغذات اور مکانات کو آگ لگادی، جس کی وجہ سے یہ سب لوگ اپنے علمی ذخیروں اور قدیم اندوختوں سے محروم ہوگئے، بلکہ اپنے رہائشی مکانات اور زمینوں کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے بھی نئی دستاویزات اور تازہ ثبوت کے محتاج رہے۔ اس المیہ کا مولانا شیخ الاسلام کی کئی تحریروں میں تذکرہ ہے، ایک استغاثہ میں جو احمد شاہ ابدالی کی یلغار کے فوراً بعد تحریر کیا گیا، لکھتے ہیں:

"چکوک و اسناد مذکورہ در ہنگامۂ احمد شاہ درانی کہ دریں سال ۱۱۷۳ھ (اہل) قصبہ کاندھلہ مذکور را بقتل رسانید، بہ غارت و احراق آمدند، ہر کہ برصحت ایں حال و صدقِ ایں مقال اطلاع و آگاہے بود، باید کہ گواہی خود بریں قرطاس ثبت نماید۔"

(ترجمہ: مذکورہ دستاویزیں اور سندات احمد شاہ درانی کے ہنگامہ میں (جس نے) اسی سال ۱۱۷۳ھ میں قصبہ کاندھلہ کے لوگوں کو قتل کیا، تباہ ہوگئیں، جل گئیں جو شخص بھی اس واقعہ کی صحت کا گواہ ہو اور اس اطلاع کی صحت سے واقف وباخبر ہو اسے چاہیئے کہ اس تحریر پر اپنی شہادت درج کردے۔)

اس حادثہ کے موقع پر تمام قدیم خاندانی علمی ذخیرہ اور جملہ قدیم کاغذات و دستاویزات ضائع اور تلف ہوگئے تھے اور جو چند چیزیں باقی تھیں وہ بعد کے حوادث میں فنا ہوگئیں۔ ایک مرتبہ سکھوں نے قصبہ پر یورش کی، دوبارہ جاٹوں نے تباہی مچائی، تیسری مرتبہ جب ان بیرونی حملوں سے کچھ امن وامان ہوا تو مقامی تھانہ کے سپاہیوں نے ظلم و زیادتی کا معاملہ کیا، مولانا شیخ الاسلام کے گھر کو لوٹ کر سب ساز وسامان اور جملہ کاغذات تہس نہس کردیئے[۲۸]۔

ان مسلسل اور پے در پے حوادث کی وجہ سے قدیم خاندانی ورثہ تقریباً نیست ونابود ہوگیا تھا[۲۹]۔ اس دور کی یا اس سے پہلے کی جو تحریریں یا کاغذات اس وقت موجود ہیں، یہ وہ ہیں جو اس وقت یا تو حکیم الاسلام کی تحویل میں نہیں تھیں، یا ان کے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ رکھی ہوئی تھیں، لیکن معلومات کے فقدان کے باوجود یہ بات بہ ہر طور ثابت

ہے کہ مولانا محمد اشرف سے مفتی الٰہی بخش تک اس خاندان کے اکثر افراد، دین و شریعت کی واقفیت میں ممتاز اور علم و عمل کے کمالات سے پورے طور پر متصف تھے۔

مولانا محمد عرف شیخ الاسلام نے کئی نکاح کیے، تین سے اولادیں ہوئیں، پہلی زوجہ محترمہ بی بی عظمت النساء حضرت مفتی الٰہی بخش کی والدہ ماجدہ ہیں۔

ولادت، طفولیت و تربیت اور ابتدائی تعلیم

مفتی الٰہی بخش ۱۱۶۲ھ (۴۹-۱۷۴۸ء) میں تولد ہوئے، صحیح تاریخ اور تفصیلات دریافت نہیں، بچپن وطن میں گذرا، والدین کے سایہ میں پرورش و تربیت پائی، قرآن پاک حفظ کیا اور فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں متوسطات تک والد ماجد سے اخذ کیں، تذکرہ مفتی الٰہی بخش میں ہے[۳۰]:

"تا سنِ تمیز بہ کنار والدین ماجدین و پدر مادر خود جناب مولوی محمد مدرس رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، بہ ہزاراں ناز و نعم پرورش یافتند۔"

(ترجمہ: زمانۂ شعور تک والدین ماجدین اور اپنے نانا مولوی محمد مدرس (ان سب پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں) کے آغوش میں ہزار ناز و نعمت سے پرورش پائی۔)

مولانا محمد مدرسؒ[۳۱] کاندھلوی سے مفتی صاحبؒ کے تلمذ کی بے بنیاد روایت

مفتی صاحب کے اپنے والد بزرگوار مولانا محمد عرف شیخ الاسلام سے تعلیم و تربیت پانے کی اطلاع ہر پہلو سے صحیح اور لائقِ تسلیم ہے، مگر یہ اطلاع درست نہیں کہ مفتی صاحب نے مولانا محمد مدرس کے آغوشِ تربیت میں تربیت پائی ہے، اور یہ بھی صحیح نہیں کہ مولانا محمد مدرس مفتی الٰہی بخشؒ کے نانیہالی اجداد میں تھے، حقیقت یہ ہے کہ مولانا شیخ محمد مدرس مفتی الٰہی بخشؒ کی دادی بی بی خورم کے جد تھے، سلسلہ نسب اس طرح ہے: "بی بی خورم بن ضیاء الحق بن مولانا محمد مدرس۔"

مولانا محمد مدرس مفتی الٰہی بخش کی ولادت (۱۱۶۲ھ) سے کم از کم چوہتر سال قبل (شوال ۱۰۸۸ھ-۱۶۷۷ء) میں یا اس سے بھی پہلے رحلت فرما گئے تھے۔ اس لئے

مفتی صاحب کے ان سے تلمذ بلکہ مولانا محمد مدرس کو دیکھنے کی روایت بھی قطعاً غلط اور ناقابلِ تسلیم ہے۔

مفتی صاحب نے مولانا محمد عرف شیخ الاسلام سے کیا کیا کتابیں پڑھیں، اس کی تفصیل دستیاب نہیں ہوئی لیکن مفتی صاحب کی تحریرات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کاندھلہ سے دہلی کے سفر کے وقت متوسطات کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔

تعلیم کے لئے دہلی کا سفر

متوسطات کی تعلیم کے بعد معمول کے مطابق کئی بڑے اساتذہ اور ممتاز علماء پر نظر گئی ہوگی، اس وقت علم وتدریس کی کثرت اور بلند پایہ علماء کی موجودگی کی وجہ سے دہلی رشک بغداد و بخارا بنا ہوا تھا، خصوصاً آخری دور کے امام حضرت شاہ ولی اللہ کے وجود سے علم کی ایسی شمع روشن ہوئی تھی جس کی کرنوں سے آفتاب و ماہتاب شرمندہ تھے۔ بہرحال اس مجمعِ علماء و مرکزِ علم وفضل سے استفادہ کے لئے دہلی کا سفر ہوا۔ اس سفر کی صحیح تاریخ معلوم نہیں، مولانا محمد سلیمان نے لکھا ہے کہ اس وقت مفتی صاحب کی عمر چودہ سال تھی۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو یہ سفر ١١٧٦ھ (١٧٦٢ء) میں ہوا ہوگا، اور قرینِ قیاس ہے کہ اس وقت حضرت شاہ ولی اللہ حیات ہوں[٣٢]، کیونکہ اس وقت تک شاہ عبد العزیز کے نامِ نامی سے شاہ ولی اللہ کے شاگردوں اور متعلقین کے علاوہ کوئی اور واقف بھی نہ تھا، بہرصورت یہ شاہ ولی اللہ کی زندگی کے آخری ایام تھے، اس لیے حضرت شاہ صاحب سے تعلیم وتلمذ کا موقع نہیں ملا، ممکن ہے تبرکاً کچھ پڑھا ہو، لیکن مفتی صاحب کے زمانۂ طالب علمی کی لکھی ہوئی وہ بیاضیں جن میں اس دور کے احوال ومتعلقات درج ہیں میری نظر سے نہیں گذری، مفتی صاحب کی جو تحریریں اس وقت تک میری نظر سے گذری ہیں ان میں شاہ ولی اللہ سے براہ راست تلمذ کا کوئی اشارہ نہیں۔

شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات ٢٩، محرم ١١٧٦ھ کے بعد شاہ عبد العزیزؒ نے مسندِ

درس وافادہ کو زینت بخشی اور سب سے پہلے جو چار پانچ طالب علم شاہ عبد العزیزؒ کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہوئے اس میں مفتی الٰہی بخش شامل تھے۔ عبد الرحیم ضیاء لکھتے ہیں:

"مگر آپ (شاہ عبد العزیزؒ) نے مستقل بجز چار پانچ شخصوں کے اوروں کو بہت کم پڑھایا ہے۔"[۳۳]

مفتی صاحب نے شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں کن کتابوں سے درس کا آغاز کیا، اس کی تصریح نہیں ملی مگر مفتی صاحب کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کافیہ وغیرہ متوسطات سے اسباق کی شروعات کی، کافیہ سے درس کی اعلیٰ ترین کتابوں تک ایک ایک کتاب کی سند مفتی صاحب نے اپنی بیاض میں قلم بند کی ہے، لیکن حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے مفتی صاحب کو جو سند عطا فرمائی اس میں صراحت ہے کہ انھوں نے شروع سے آخر تک تمام کتابیں میرے روبرو عرض کیں:

لمّا تلمذ عندی بدراسة صغار الکتب الی کبارها ومبادی نسخ التحصیل الی اواخرها و۔

(ترجمہ: جب میرے پاس چھوٹی کتابوں سے بڑی کتابوں تک درس کے ابتدائی نصاب سے آخر تک سب کچھ پڑھ لیا، اور...)

ممکن ہے کہ مفتی صاحب نے آغاز کافیہ وغیرہ سے کیا ہو اور بعد میں ان سب کتابوں کا بھی جو وطن سے پڑھ کر آئے تھے شاہ صاحب کی خدمت میں تجدید و اعادہ کرلیا ہو۔

شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبد القادرؒ کی ہم سبقی

مفتی صاحب اکثر درسیات میں شاہ رفیع الدینؒ کے رفیق و ہم سبق تھے، اس وقت شاہ عبد القادرؒ نسبتاً ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے، شاہ رفیع الدینؒ کے ساتھ آخر تک تمام کتابوں میں سماعت و قرأت کے ساتھ رفاقت رہی، مصابیح السنہ کے اسباق میں شاہ عبد القادرؒ بھی مفتی صاحبؒ کے ہم سبق ہوگئے تھے، غالباً کسی وجہ سے درس کی معمول کی ترتیب میں شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں سننِ ابو داؤد پڑھنے کا موقع نہیں ملا تھا، اس لئے سننِ ابی داؤد اپنے رفیقِ درس شاہ عبد القادرؒ سے پڑھی۔ شاہ عبد العزیزؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وسمع المصابيح بقراءة الاخ الارشد العالم الصالح الشيخ عبد القادر وقرأ عليه سنن ابى داؤد."
(ترجمہ: مصابیح میرے نیک بھائی، عالم وصالح شیخ عبد القادر کی قرأت سے سنی اور ان (ہی) سے سنن ابو داؤد پڑھی۔)

حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی سند

تعلیم سے فراغت پر حضرت شاہ عبد العزیز نے اپنے دست مبارک سے مفصل سند لکھ کر مفتی صاحب کو عطا فرمائی۔ اس میں زیرِ درس کتب کی تفصیل کے علاوہ مفتی صاحب کی اعلیٰ درجہ کی لیاقت و صلاحیت، معقولات ومنقولات کے فہم واستحضار کی تصدیق کے ساتھ یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"فعرف معانى المتون و دقائقها واصطلاحات الحديث واحوال اسانيده، حتى تسيّر له ملكة التقاة المطالب من الشروح والحواشى بحيث يعتمد على فهمه ويقبل ما صدر من رأيه.

وصار بحمد الله فاضلاً جيّداً وعالماً بارعاً، ذا تقوى وصلاح وخشية من الله ومحبتّه والإستقامة فى شريعته واهلاً لان يعتمد على فتاويه وأجوبته مع فضائل أخر."

(ترجمہ: پس متون کے مفہوم ان کی باریکیوں اور اصطلاحات حدیث واسانید کو پہچانا، یہاں تک ان میں شروح وحواشی سے مطالب اخذ کرنے کی ایسی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے کہ ان کی سمجھ (اور صلاحیت) پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور ان کی رائے قبول کی جاسکتی ہے۔

یہ بفضلہ تعالی نہایت جید فاضل اور ممتاز عالم ہوگئے ہیں، نیکی پرہیزگاری والے، اللہ سے ڈرنے، محبت کرنے والے، اس کی شریعت پر جمے ہوئے اور اس کے اہل کہ ان کے فتووں اور جوابات پر اعتماد کیا جائے، مع اور فضائل اور کمالات کے۔

مفتی صاحب شاہ عبد العزیزؒ کی نظر میں

شاہ صاحب نے مفتی صاحب کے استعداد، اعلیٰ درجہ کی علمی صلاحیت اور جن محاسن وکمالات کا مذکورہ بالا سند میں تذکرہ کیا ہے، یہ وقتی تذکرہ یا رسمی کاروائی نہیں تھی بلکہ حضرت شاہ صاحب مفتی صاحب کو اپنا شاگرد دیکھتے ہوئے مسرت محسوس کرتے تھے اور اپنی مجلسوں میں مفتی صاحب کے کمالِ علم اور علوئے مرتبہ کا بلند الفاظ میں تذکرہ فرماتے رہتے

تھے ایک مجلس میں ارشاد ہوا:

"درشاگردانِ من دو کس خوب بودند چنانچہ مولوی رفیع الدین و مولوی الہی بخش۔

(میرے شاگردوں میں دو شخص بہت عمدہ ہوئے، مولوی (شاہ) رفیع الدین اور مولوی (مفتی) الٰہی بخش۔

اور یہ بھی شاہ صاحب کے کمالِ اعتماد کی علامت ہے کہ نواب ضابطہ خاں نے شاہ صاحب سے اپنی ریاست کی سرپرستی فرمانے اور وہاں مفتی اعظم کی حیثیت سے قیام فرمانے کی درخواست کی تو شاہ صاحب نے معذرت کی، مگر ضابطہ خاں کا بار بار اصرار ہوا تو شاہ صاحب نے اپنے نمائندہ اور قائم مقام کی حیثیت سے مفتی الٰہی بخش کو منتخب فرمایا۔

شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں سفرِ سلوک اور اجازت و خلافت

مفتی صاحب نے درسیات کے علاوہ سلوک و تصوف کی متعدد اہم تصنیفات اور دیگر فنون کی اہم کتابیں سبقاً سبقاً شاہ صاحب سے پڑھیں اور مراتبِ عرفان و سلوک کی علمی واقفیت کے علاوہ اصلاحِ باطن اور سلوک و تصوف کی عملی تربیت بھی حاصل کی۔ مفتی صاحب جن کے حسنِ اخلاق، پاکیزہ عادات و کردار کا شاہ صاحب ان الفاظ میں تذکرہ فرما چکے تھے:

وهبه الله تعالىٰ من حسن الاخلاق وطيب الشيم

(ترجمہ: ان کو اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ اخلاق اور عمدہ خصلتیں عطا فرمائی ہیں۔) شاہ صاحب کے حلقۂ اصلاح و تربیت سے وابستہ ہوئے اور مراحل سلوک مکمل کرنے کے بعد اجازت و خلافت سے مشرف کئے گئے۔

مفتی صاحب کو شاہ صاحب سے اجازت و خلافت کب عطا ہوئی اور مفتی صاحب کا شاہ صاحب کی خدمت میں کب تک قیام رہا اس کی تاریخ میرے علم میں نہیں، لیکن مختلف قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) تک شاہ صاحب کی خدمت میں دہلی میں قیام تھا، یعنی دس سال شبانہ روز شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہنے اور استفادہ کی سعادت میسر رہی۔

مولانا شاہ کمال الدین کاندھلوی سے استفادہ روحانی اور اجازتِ بیعت

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے دریائے کمال سے استفادہ کے بعد مفتی صاحب نے مسندِ درس وافادہ کو زینت بخشی، مفتی الٰہی بخش کی ذاتِ گرامی شاہ صاحب کے محاسن وکمالات کا پرتو اور شاہ ولی اللہؒ کے طریقۂ تعلیم وتربیت اور علوم وکمالات کی جامع اور مکمل نمونہ تھی، اس لئے مفتی صاحب کے حلقۂ درس وارشاد میں طلباء اور طالبانِ راہِ حق کا کثرت سے رجوع ہوا، طلباء کی کثیر تعداد اور ارشاد ومعرفت کے طالبین گروہ در گروہ مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی اپنی صلاحیت وظرف کے مطابق حسبِ توفیق استفادہ کرتے۔ اس کثرتِ رجوع اور استفادہ کی وجہ سے مفتی صاحب علمی روحانی حلقوں میں ممتاز اور ہندوستان کے دور دراز گوشوں میں متعارف ہوگئے تھے، مگر مفتی صاحب کی شخصیت کی جن عناصر سے تشکیل ہوئی تھی اور ان کو جن برگزیدہ شخصیتوں کے فیضِ صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا تھا اس کے اثرات سے مفتی صاحب کی ذات کا جوہر اس قدر صیقل ہوگیا تھا اور اپنی ذات کی نفی اور نفس کے مکائد پر غور وفکر کی عادت ایسی پختہ ہوگئی تھی کہ مرشدِ کامل اور تلامذہ ومتوسلین کی فراوانی کے باوجود ہمیشہ ایسے اصحاب کی جستجو رہتی تھی جو معرفت کی رہ نوردی اور علمی وعملی خصوصیات میں ممتاز ومنفرد ہوں، جس صاحبِ کمال کا علم ہوتا اس کے پاس جاتے اور جس صاحبِ ارشاد وسنت بزرگ کا علم ہوتا ان سے اپنے مقام وحیثیت کا ایک لمحہ احساس کئے بغیر عام طالبینِ حق اور معمولی افراد کی طرح استفادہ کرتے، ان کے ملفوظات قلم بند کرتے اور ان کے روحانی کمالات سے فیضیاب ہوتے۔ اسی دوران سلسلہ نقشبندیہ کے طریقہ پر سیرِ سلوک کا اور اس سلسلہ کے کمالات حاصل کرنے کا خیال آیا، اس قصد سے متعدد بزرگوں اور اہلِ طریقت سے رجوع کیا، مگر جس چیز کی تلاش تھی وہ کہیں نہیں ملی، اسی کشمکش کے دوران اطرافِ بھوپال کے سفر میں ایک درویش کامل سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا جب تک اپنے بھائی شاہ کمال الدین[۳۶] سے بیعت ہوکر استفادہ نہ کروگے تمہارا مقصد حاصل نہ ہوگا۔

جس چھوٹے بھائی کی بچپن میں تربیت کی ہو اور سبقاً سبقاً تمام کتابیں پڑھائی

ہوں، اس سے بیعت ہونے کا فیصلہ آسان نہیں تھا، مگر مفتی صاحب فنائیت اور اخلاص کے ایسے مقام پر فائز تھے کہ اس مشورہ کو ماننے قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوا۔ مفتی صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ کمال الدّینؒ سے عام متوسل و مسترشد کی حیثیت سے رجوع ہونے کا فیصلہ فرمالیا، چھوٹے بھائی شاہ کمال الدّینؒ سے عقیدت اور خوش دلی کے ساتھ بیعت کی اور اجازت و خلافت پائی۔

مفتی صاحب کا شاہ کمال الدین سے بیعت و استفادہ کا تعلق کب ہوا، اس کی صراحت نہیں ملی۔ مولانا محمد سلیمانؒ اس کو شاہ عبد العزیزؒ کی وفات (۱۲۳۹ھ) کے بعد کا واقعہ قرار دیتے ہیں، مگر مجھے اس کی تصدیق میں تامّل ہے، مفتی صاحب کی تحریرات میں ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۶ء) کے بعد بھوپال اور اس کے نواح کے کسی سفر کا اشارہ و تذکرہ نہیں ہے۔ مفتی صاحب تقریباً ۱۲۱۲ھ میں بھوپال سے ترکِ ملازمت کر کے تشریف لائے تھے اس کے بعد بھوپال اور اطرافِ بھوپال کے کسی سفر کا مفتی صاحب کی تحریرات و یادداشتوں میں تذکرہ بلکہ اشارہ تک نہیں ہے، اور خود مولانا سلیمانؒ نے لکھا ہے کہ:

"آخر الامر در اثناء سفرِ بھوپال بعارفے ملاقی شدند۔"[۳۹]

(آخر کار بھوپال کے سفر میں ایک مردِ کامل سے ملاقات ہوئی۔)

مفتی صاحب کے آخر عمر کے (وفات ۱۲۴۵ھ) سولہ سترہ سال مسلسل وطن میں گذرے، اس دوران کسی بیرونی طویل سفر کی کوئی یادداشت (اس وقت تک دستیاب) بیاضوں میں تحریر نہیں، اور جو اطلاعات ہیں وہ اسی وقت کی ہیں جب مفتی صاحب ریاستِ بھوپال میں ملازم تھے اور مختلف حیثیتوں سے بھوپال کے اطراف میں جانا آنا رہتا تھا، اس لئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ شاہ کمال الدّین سے ارادات و بیعت کا واقعہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی حیات میں پیش آیا ہو، ممکن ہے اس میں شاہ عبد العزیزؒ کا منشاء اور اجازت بھی کارفرما رہی ہو، مفتی صاحب نے شاہ عبد العزیزؒ کی وفات (۱۲۳۹ھ) کے بعد اٹھہتر اناسی سال کی عمر میں بھوپال کا طویل سفر کیا ہو اور اس سفر سے واپسی کے بعد یعنی ۱۲۴۰ھ میں شاہ کمال الدینؒ سے بیعت ہوئے ہوں، صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ سے استفادہ

شاہ کمال الدین سے بیعت و استفادہ کے بعد خانوادۂ ولی اللہی اور نقشبندیہ مجددیہ سلسلوں کا فیضان مفتی صاحب میں جمع ہوگیا تھا، گویا مفتی صاحب کی ذات مجمع البحرین ہوگئی تھی، مگر ابھی مفتی صاحب کو اور دور تک جانا تھا، اس لئے سفر کا آغاز حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے اشارہ وایماء پر حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ سے ارادت و وابستگی سے ہوا، جو اس دور میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے روشن مستقبل کی نوید تھے۔

سید صاحب ۱۲۳۴ھ میں اطرافِ دہلی کے تبلیغی سفر پر نکلے تھے۔ اس سفر کے دوران کاندھلہ بھی تشریف لائے، مفتی صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے، مفتی صاحب نے سید صاحب کے کمالاتِ باطنی کا اندازہ فرمالیا اور بلاتامل سید صاحبؒ سے بیعت ہوکر ان کے علوم و کمالات سے مستفید ہوئے۔ مفتی صاحب نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور خاص مریدوں اور خلفاء کو بھی سید صاحب کے دامنِ تربیت میں دے دیا۔ سید صاحبؒ نے بھی مفتی صاحب کو اجازت وخلافت سے نوازا اور اپنے طریقۂ سلوک و تربیت کی تفصیلی تعلیم فرمائی۔

جب سید صاحبؒ کاندھلہ سے اگلی منزل کے لئے روانہ ہوئے، اس وقت مفتی صاحب بھی سید صاحب کے ہمراہ تھے، اس دوران مفتی صاحب نے سید صاحب کے ملفوظات اور طریقۂ تعلیم کو مرتب و منضبط فرمایا، یہ مجموعہ "ملہمات احمدیہ" کے نام سے موسوم ہے اور شائع ہوچکا ہے[۴۲]۔

(باقی آئندہ)

حواشی:

۱۔ عموماً تاریخوں میں محمد بن فیروز شاہ تغلق کے نام کے ساتھ ابوالفتح کا خطاب درج نہیں، مگر محمد شاہ تغلق کے اصل فرمان پر موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ متاخر تاریخوں کی بہ نسبت یہ حوالہ زیادہ معتبر ہے۔

۲- اگرچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے اپنی ایک یادداشت میں لکھا ہے کہ:
"ان (قطب شاہ) کے نام تغلق کا فرمان ۷۸۳ھ کا لکھا ہوا حاجی محسن کے پاس موجود ہے۔" بیاض کبیر ص ۲۳، مگر اس اندراج کی دونوں باتیں تحقیق طلب ہیں۔ اول تو اس کا عہد تحریر، اگر یہ فرمان ۷۸۳ھ کا لکھا ہوا ہے تو اس کو محمد شاہ بن فرید خاں کا ہونا چاہیئے۔ اور اگر اس میں تغلق کا حوالہ صحیح ہے تو اس کا عہد کتابت آٹھویں صدی ہجری (قبل از ۸۰۰ھ) کا زمانہ ہوگا۔ اس اشتباہ کی وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ حقیقت کیا تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حاجی محمد محسن کے مرتب کئے ہوئے خاندانی شجرہ میں (جو سب سے زیادہ معتبر و مفصل شجرہ ہے جس میں ہر اندراج کے لئے مستند دستاویزات کے مسلسل حوالے درج ہیں) شیخ قطب شاہ کے نام کے کسی بھی فرمان کا کوئی حوالہ درج نہیں ہے۔ نیز حاجی محمد محسن مرحوم (وفات: ۱۳۷۳ھ- ۱۹۵۳ء) کے جمع کئے ہوئے ہزارہا کاغذات میں بھی اس فرمان کی یادداشت یا تاریخ ونشان نہیں ملا۔ اس لئے جب تک اصل فرمان یا اس کی معتبر نقل دستیاب نہ ہو۔ اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ کہنا صحیح نہیں۔

۳- یہ الفاظ اس سند یا سرٹیفیکٹ میں درج ہیں جو مولوی علاء الحسن (از اخلاف مفتی الٰہی بخش) کاندھلوی کو ۱۸۹۳ء میں ایم اے او کالج علی گڈھ سے عطا کی گئی تھی۔ یہ تحریر بتمام وکمال جسٹس سید محمود کے قلم کی لکھی ہوئی ہے، جو سرسید احمد کی ہدایت پر لکھی گئی ہے اور خود سرسید احمد کے قلم سے اس میں ترمیم و تصحیح ہے۔ یہ سند ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ بعض معلومات کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کا مضمون: حیات سرسید کا ایک گمشدہ ورق۔ ماہنامہ آجکل، دہلی (اپریل ۱۹۷۵ء)

۴- بعض مختصر معلومات کے لئے رجوع فرمائے راقم سطور کا مضمون "شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی: اجداد، صحیح نسب نامہ اور حالات" "شیخ الحدیث نمبر، جلد اول "الفرقان" "لکھنؤ، ص ۳۹ تا ص ۵۱

۵- مولانا محمد علی صدیقی خلف مولانا صدیق احمد کاندھلوی (وفات ۱۴۱۳ھ- ۱۹۹۲ء) مؤلف تفسیر معالم القرآن وامام اعظم اور علم الحدیث وغیرہ پانچ سال سے قاضی ضیاء الدین سنامی اور ان کی کتاب نصاب الاحتساب پر تحقیق کر رہے تھے۔ اس میں قاضی ضیاء الدین کے سلسلہ نسب کی تحقیق بھی خاص موضوع تھا۔ مولانا کا ارادہ تھا کہ وہ نصاب الاحتساب کے تفصیلی مقدمہ میں اپنے نتائج تحقیق درج کریں گے۔ مولانا نے اس کتاب کی تیاری کے لئے پاکستان کے علاوہ ممالک اسلامیہ کے بعض اہم کتب خانوں سے بطور خاص استفادہ کیا تھا، مگر ابھی یہ کام پورا نہیں ہوا تھا کہ مولانا مختصر علالت کے بعد گذشتہ سال ۲۰ جمادی الاخر ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۹۲ء بروز بدھ اچانک رحلت کر گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ قاضی ضیاء الدین سنامی پر مولانا کے اس وقیع اہم کام کا جناب ابن نجار صاحب نے بھی اپنی تحریر مطبوعہ ہفت روزہ "حرمت" اسلام آباد، اشاعت ۱۶ تا ۲۲ دسمبر ۱۹۹۳ء میں ذکر کیا ہے۔

مولانا کبھی کبھی راقم سطور کو اپنی تحقیقات سے مطلع فرماتے رہتے تھے۔ خاندان کے نسب نامہ پر میرا جو مضمون ماہنامہ "الفرقان" "لکھنؤ کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نمبر جلد اول میں چھپا تھا مولانا نے اس کو کئی مرتبہ پڑھا۔ اس کی تحسین و تصویب فرمائی اور میری اس رائے کی تائید فرمائی جو نسب نامہ کی معروف روایت کے غلط ہونے اور صحیح ترتیب کی جستجو پر مشتمل تھا اور لکھا کہ "تم نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرے دل کی بات ہے میری بھی یہی رائے ہے" مجھے اس تائید سے بے حد مسرت ہوئی کیونکہ مولانا واحد شخص تھے جنھوں نے خاندانی نسب نامہ کو علمی تاریخی حیثیت سے جانچا پرکھا تھا۔

۶- مولانا نے راقم سطور کے نام ایک سے زائد خطوط میں اپنی اس تحقیق کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس میں یہ تحریر نہیں کہ مولانا کی اس تحریر کا ماخذ کیا ہے۔ خیال تھا کہ قاضی ضیاء الدین اور ان کے خاندان ونسب کے متعلق مولانا کی تحقیقات سے مزین ہو کر نصاب الاحتساب شائع ہوگی، اس میں یہ سب مباحث مفصل آئیں گے اور ان کے سب حوالے بھی

درج ہوں گے اس لئے مولانا سے یہ معلوم کرنے کا خیال نہیں ہوا کہ یہ اطلاع مولانا نے کہاں سے لی ہے۔ تاہم امید یہ ہے کہ اس کے لئے مستقل علمی تاریخی شواہد موجود ہوں گے لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس پہلو پر مزید تحقیق وتوجہ کی ضرورت ہے۔

۷۔ قاضی ضیاء الدین سنامی تک نسب نامہ تمام قدیم دستاویزات، نسب ناموں خصوصاً اس نسب نامہ میں درج ہیں جو قاضی غلام حسین کاندھلوی کے قلم کا لکھا ہوا ہے اور اس پر مزید توثیق کے لئے قاضی صاحب کے دفتر قضات کی مہر بھی ثبت ہے۔۔۔ قاضی ضیاء الدین نے اپنا، اپنے والد ماجد اور دادا کا نام اپنی مشہور کتاب نصاب الاحتساب کی تمہید میں لکھا ہے۔

۸۔ قاسم بن نصر پر شیخ شہاب الدین سہروردی اور محدث ابن جوزی کا سلسلہ نسب ایک ہو جاتا ہے۔ سیر اعلام النبلاء ص ۳۶۷، ج ۲۲ (بیروت ۱۴۰۵ھ)

ایک روایت کے مطابق حسین بن القاسم بن نصر سے امام فخر الدین رازی کا سلسلہ نسب بھی متصل ہے۔ گویا یہ سب ایک ہی شجر کی شاخیں ہیں۔

۹۔ ابو جعفر محمد سے حضرت ابو بکر صدیق تک پیشِ نظر ترتیب علامہ ذہبی کی تصریح کے مطابق ہے۔ ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء، ص ۳۴۷، ج ۲۲۔ اور یہی نسب نامہ اسی ترتیب کے مطابق ابن النجار نے ذیل تاریخ بغداد میں بھی نقل کیا ہے۔ ابن النجار نے لکھا ہے کہ میں یہ نسب نامہ شیخ ابو النجیب سہروردی کی تحریر سے نقل کر رہا ہوں۔ ان ائمہ اعلام کی تحقیق وتصدیق کے بعد اس کے صحیح ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں ہے۔

۱۰۔ سیر اعلام النبلاء۔ ص ۳۷۶، ج ۲۲۔ (بیروت: ۱۴۰۵ھ)

۱۱۔ تاریخ فیروز شاہی، ضیاء برنی۔ ترجمہ ڈاکٹر سید معین الرحمن، ص ۵۱۷ (لاہور: ۱۹۸۳ء)

۱۲۔ طبقات ناصری، منہاج سراج، اردو ترجمہ غلام رسول مہر، ص ۸۱۹، جلد اول (لاہور: ۱۹۷۵ء)

۱۳۔ طبقات ناصری اردو ترجمہ، ص ۸۲۸

۱۴۔ نزہۃ الخواطر، ص ۱۶۸، جلد اول (طبع دوم، حیدر آباد: ۱۳۸۲ھ)

۱۵۔ سُنام، مشرقی پنجاب ہند میں پٹیالہ سے ۴۳ میل جنوب مغرب میں دریائے راوی وستلج کے دو آبہ میں واقع ہے۔

اس قصبہ کے بانی اور ابتدائی تاریخ کی صحیح تحقیق نہیں مگر اس کا ہندوستان کی قدیم بستیوں میں شمار ہے۔ کم سے کم ماقبل مسیح کی آبادی ہے۔ یہاں مسلمان بھی بہت قدیم سے آباد ہیں۔ میاں اخلاق احمد صاحب نے IMPERIAL GAZETTEER OF INDIA ص ۲۸۶، جلد ۲ (۱۹۰۸ء) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ "ہندوستان میں سب سے پرانی مسجد کے نشانات سُنام میں پائے جاتے ہیں۔" (سیر کارواں، ص ۶۰ وص ۹۰)۔ یہ شہر غزنویوں کے دور میں شاداب و پر بہار تھا۔ البیرونی یہاں آیا ہے اور اس نے کتاب الہند میں سنام کا تذکرہ کیا ہے۔ سنام میں آباد جن علماء واہلِ کمال کے حالات عموماً دستیاب ہیں، ان میں قدیم ترین منتخب شخصیت حضرت محمود بُنوئی بخاری (وفات ۵۱۵ھ۔ ۱۱۲۱ء) کی ہے۔ اس وقت سے عہد مغلیہ تک یہ بستی علماء اور ارباب باطن کا مرجع ومسکن رہی ہے۔ یہاں ہر دور میں برگزیدہ اہلِ معرفت فخر روزگار علماء اور صفِ اول کے ادیب وشاعر پیدا ہوتے رہے۔

اس بستی کی تاریخ کا یہ عنوان بھی ناقابلِ فراموش ہے کہ برصغیر کے اس ممتاز فاروقی خانوادہ کے اجداد وشیوخ نے جس سے حضرت بابا فرید گنج شکر اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے کاملین وابستہ ہیں برصغیر میں آمد کے وقت سب سے پہلے یہیں قیام فرمایا تھا۔ یہیں سے وہ دوسرے مقامات پر گئے اور یہیں سے اس کی خوشبو برصغیر کے کونے کونے میں پہونچی۔

سنام کی تاریخ اور چند مشاہیر کے متعلق معلومات کے لئے ملاحظہ ہو "سیر کارواں۔" (احوال سید محمود بنوئی

سنامی) تالیف میاں اخلاق احمد (لاہور: ۱۹۸۲ء)
۱۶- اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث، ص ۱۲۴-۱۲۳ (احمدی دہلی: ۱۲۷۰ھ) نزہتہ الخواطر، ص ۹۳، ج ۲ (حیدر آباد: ۱۴۰۷ھ)
۱۷- اخبار الاخیار، ص ۲۴-۱۲۳، احمدی (دہلی: ۱۲۷۰ھ)
۱۸- تاریخ فیروزشاہی، ضیاء برنی، اردو ترجمہ، ص ۵۱۷-۵۱۸ (لاہور: ۱۹۸۳ء)
۱۹- اخبار الاخیار، ص ۱۲۴ (احمدی، دہلی: ۱۲۷۰ھ)
۲۰- حاشیہ نزہتہ الخواطر، ص ۹۵-۹۴، ج ۲ (حیدر آباد: ۱۴۰۷ھ)
۲۱- قصر عارفاں، احمد علی خیر آبادی، ص ۱۸۱، مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر (لاہور: ۱۹۶۵ء) --- ارج نواحِ سلطان پور (مشرقی یوپی) کی ایک بستی ہے۔
۲۲- سبع سنابل، میر عبدالواحد بلگرامی، ص ۶۲ (نظامی، کانپور: ۱۲۹۹ھ)
۲۳- اس خیال کی تصدیق قاضی حفظ اللہ صدیقی قریشی بڑھانوی کی تالیف مشکوٰۃ الانوار فی سیرۃ النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہید سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب کے صاحبزادگان کے اصرار پر شاہ جہاں کے عہد میں لکھی گئی تھی اور اس میں حضرت مولانا محمد اشرف کی تصحیح فرمانے کا بہت اہتمام سے تذکرہ ہے اور مولانا کو غیر معمولی بلند الفاظ میں یاد فرمایا گیا ہے۔ اس گراں مایہ کتاب کا عمدہ خطی نسخہ محترمی جناب توفیق احمد صاحب علوی کی عنایت سے حاصل ہوا، جو خانوادہ مفتی الٰہی بخش کے لئے ایک گراں مایہ تحفہ اور بیش بہا یادگار ہے۔
۲۴- اس سے پہلے میں ایک اور مضمون میں عبدالمقتدر کا سنہ وفات ۱۰۹۶ھ لکھ چکا ہوں۔ (شیخ الحدیث کے اجداد، صحیح نسب نامہ اور حالات "الفرقان" لکھنؤ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نمبر، جلد اول، ص ۶۰) مگر بعد میں ایک اور دستاویز نظر سے گذری جو شوال سنہ ۱۰۹۵ھ کی لکھی ہوئی ہے، اس میں بھی عبدالمقتدر کو مرحوم لکھا ہے۔
۲۵- مثلاً ملاحظہ ہو: روضۃ الاولیاء، بیجاپور، خطی، ص ۲۳۳ (نسخہ ذاتی) تاریخ الاولیاء سید امام الدین گلشن آبادی، ص ۲۶۶، ج ۲ (بمبئی: ۱۲۹۱ھ)
۲۶- میں نے ہر چند تلاش و جستجو کی، مگر کسی تحریر، یادداشت اور نسب نامے یا کسی اور ماخذ سے جھنجھانہ کے رہنے والے کسی ایسے شخص یا عالم کا نام نہیں ملا، جن کا نام محمد شریف ہو، جو مولانا محمد شریف کے ہم عہد ہوں، اس لئے قرینِ قیاس ہے کہ مولانا محمد شریف خلف محمد اشرف ہی ان کتابوں کے مترجم و مؤلف ہیں۔ بہرحال یہ پہلو مزید تحقیقات و معلومات کا متقاضی ہے۔
۲۷- ہبہ نامہ منجانب بی بی بدیہ دختر حضرت مولانا محمد اشرف جھنجھانوی۔ مؤرخہ ۲۱، جمادی الاخریٰ ۱۰۸۸ھ
۲۸- کاندھلہ کی تاریخ پر راقم سطور کی مفصل کتاب میں انشاء اللہ ان تاریخی واقعات کا معتبر دستاویزات اور حوالوں کے ساتھ مفصل تذکرہ آرہا ہے۔
۲۹- مفتی الٰہی بخش نے بھی مقدمہ شرح سُلّم العلوم میں اپنے علمی ذخیرہ اور تمام کاغذات کے ضائع ہونے پر تأسف کا اظہار کیا ہے۔
۳۰- تذکرہ مفتی الٰہی بخش، مفتی الٰہی بخش کے پر پوتے مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان خلف مولانا نورالحسن ابن مولانا ابوالحسن بن مفتی الٰہی بخش (ولادت جمادی الاول ۱۲۵۷ھ - جولائی ۱۸۴۱ء، وفات ۱۳۲۵ھ - ۷ فروری ۱۹۰۸ء) کی تالیف ہے۔ اصل تالیف اردو میں ہے جو اب تک شائع نہیں ہوئی۔ اس کا فارسی ترجمہ مثنوی مولانا روم کے مشہور مرتب و مصحح اور ناشر مولانا احمد حسن کانپوری نے کیا تھا۔ یہ ترجمہ محرم ۱۳۲۲ھ میں مطبع محمود المطابع کانپور سے اہتمام

مثنوی مولفہ حضرت مفتی الٰہی بخش کے ضمیمہ کے طور پر شائع ہوا ہے۔ ضمیمہ بڑے سائز کے ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے، چونکہ مولانا سلیمان کے مرتبہ اردو تذکرہ کا مکمل نسخہ ہمیں دستیاب نہیں ہوا۔ اس لئے اس ترجمہ پر اعتماد کیا گیا۔ آئندہ صفحات میں اس ترجمہ کا تذکرہ مفتی الٰہی بخش کے نام سے ذکر کیا جائے گا۔

۳۱- مولانا محمد مدرس، دسویں صدی ہجری کے ممتاز عالم، نامور فقیہ اور مدرس تھے۔ تقریباً ستر سال تک درس و افادہ کا بازار گرم رکھا۔ کثرت درس و تعلیم کی وجہ سے مدرس کے لقب سے مشہور تھے۔ کم از کم دو مرتبہ حج کی سعادت پائی اور علماء حرمین سے استفادہ کیا۔ طویل عمر پائی، تقریباً ۱۰۸۸ھ تک حیات تھے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔ مولانا کے صرف ایک فرزند تھے۔ شیخ ضیاء الحق جو نوجوانی میں انتقال کر گئے تھے، ان کی دختر بی بی خورم مولانا شیخ الاسلام کی والدہ ماجدہ تھیں۔

۳۲- تذکرہ مفتی الٰہی بخش، ص ۸۱

۳۳- مفصل معلومات کے لئے ملاحظہ ہو: راقم سطور کا مضمون "شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تاریخ وفات اور ان کے اہل خاندان کے مزارات اور ان کے کتبے" ماہنامہ "برہان" دہلی، جولائی ۱۹۸۳ء، جلد ۹، شمارہ ۱

۳۴- مقالات طریقت یا فضائل عزیزیہ۔ عبد الرحیم ضیا۔ (حیدر آباد: ۱۲۹۲ھ) نیز "نزہۃ الخواطر" مولانا سید عبد الحی حسنی، ص ۲۶۹، ج ۷

۳۵- ملفوظات فارسی، ص ۴۰-۳۹ (میرٹھ: ۱۳۱۴ھ)

۳۶- یہ تمام اقتباسات اس مفصل سند کے ہیں جو خود حضرت شاہ عبد العزیز کے قلم سے (جس پر مہر بھی ثبت ہے) مفتی صاحب کی اس بیاض میں درج ہے جو ان کی حدیث کی بیاض اور زمانۂ تعلیم کی اہم ترین یادگار ہے۔ یہ بیاض امید ہے محفوظ ہوگی، مگر راقم سطور کو اس کی زیارت اور اس سے استفادہ کا موقع نہیں ملا۔ اس بیاض سے یہ سند مولانا احتشام الحسن نے مفتی الٰہی بخش کی تالیف شرح قصیدہ بانت سعاد کے پیش لفظ میں نقل کی ہے (ص ۳-۲، دہلی: ۱۳۵۴ھ) مقدمہ بانت سعاد سے "حالات مشائخ کاندھلہ" (ص ۵۵-۵۳) میں نقل ہوئی ہے۔ یہاں تمہید بانت سعاد سے اخذ کی گئی ہے۔

۳۷- متعدد مشائخ و صوفیاء کے نام اور ان کے مختلف افادات مفتی صاحب کی بیاضوں میں درج ہیں۔ ایک بڑے بزرگ شاہ محمود بخش (غالباً جھنجھانوی) کے ملفوظات کتابی صورت میں مرتب کئے تھے۔

۳۸- شاہ کمال الدین مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کے بیٹے مفتی الٰہی بخش کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے، ابتدائی درسیات و متوسطات مفتی صاحب کے حلقۂ درس میں اور اعلیٰ کتابیں حضرت شاہ عبد العزیز اور شاہ رفیع الدین سے پڑھیں۔

نہایت درجہ متبع سنت، بے ریا، بے نفس شخص تھے۔ سلوک و معرفت میں اس عہد کے نامور مرشد حضرت شاہ ابو العدل خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ محمد زبیر نقشبندی مجددی سے بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

شاہ ابو العدل کی وفات (۱۲۰۴ھ) کے بعد شاہ صاحب کے خلیفہ و جانشین مقرر ہوئے۔ شاہ ابو العدل کے مقام و مرتبہ کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے خلفاء و تربیت یافتگان میں شاہ عبد القادر مفسر قرآن بھی شامل ہیں۔

شاہ کمال الدین کی ۱۲، ربیع الاول ۱۲۴۳ھ (۴، اکتوبر ۱۸۲۷ء) بروز پنجشنبہ کاندھلہ میں وفات ہوئی۔ خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ بعد میں مفتی الٰہی بخش بھی ان کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

۳۹- تذکرہ مفتی الٰہی بخش، ص ۸۹، نیز حالات مشائخ کاندھلہ، ص ۲۰

۴۰- ملاحظہ ہو: ملہمات احمدیہ تالیف مفتی الٰہی بخش

ایک گمنام عالم اور عارف

مولانا صادق الیقین کرسویؒ

از: جناب صوفی عبد الرب صاحب مرحوم

بارہ بنکی مشرقی یوپی کا ایک معروف ضلع ہے۔ اس ضلع کی متعدد بستیوں میں علم و عرفان کی روایت خاصی وسیع اور تابندہ رہی ہے۔ منجملہ ان بستیوں کے ایک موضع کرسی ہے۔ وہاں تقریباً دو سو برس سے علم و ریاضت کی ایک شمع مسلسل روشن ہے۔ جب سے وہاں شاہ نجات اللہ صاحب تشریف لائے اور اس بستی کو اپنی خدمات اور جہد و ریاضت کا مرکز بنایا، اس وقت سے وہاں علم و معرفت کا عمومی چرچا پایا جاتا ہے۔ مولانا کے اخلاف میں بھی اور بستی کے دوسرے خاندانوں میں بھی کئی نسلوں تک اربابِ علم اور اصحابِ باطن موجود رہے، اس خانوادہ کے ایک جید عالم صاحبِ کمال مرشد مولانا صادق الیقین تھے۔ مولانا صادق الیقین حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے شاگرد، محدث گنگوہی حضرت مولانا رشید احمد کے ممتاز خلیفہ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے فیض یافتہ تھے۔

مولانا صادق الیقین نے کم عمری میں، عین عالمِ جوانی میں صرف ۳۵ سال کی عمر میں سفرِ حج کے دوران مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ مولانا صادق الیقین کے دستیاب علمی آثار میں سے راقمِ سطور کو تین چیزوں کا علم ہے۔ تقریر درسِ سُنن ترمذی، امداد الصادقین اور ارشاد الصادقین۔ تقریر درس سنن ترمذی عربی میں لکھی گئی ہے اور مولانا کے اخلاف کے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ امداد الصادقین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ملفوظاتِ گرامی کا مجموعہ ہے۔ یہ ملفوظات مولانا صادق الیقین نے اپنے مکۂ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں ۲۳، شعبان ۱۳۱۲ھ سے ۳، صفر ۱۳۱۲ھ کے دوران ضبط کئے تھے۔ ان کا اردو ترجمہ شمائم امدادیہ اور امداد المشتاق میں شامل ہے۔

ارشاد الصادقین محدث گنگوہیؒ حضرت مولانا رشید احمدؒ کے ملفوظاتِ عالیہ کا مختصر سا مجموعہ ہے، ان ملفوظات پر سنہ ضبط وکتابت درج نہیں اور میری معلومات کے مطابق یہ مجموعہ ملفوظات مکمّل متن کے ساتھ آج تک شائع نہیں ہوا۔ تاہم اس میں درج چند ملفوظات کا اُردو ترجمہ تذکرۃ الرشید میں درج ہے۔[۲] شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خواہش تھی کہ یہ ملفوظات فارسی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوں، حضرت نے اس خواہش کا مولانا واثق الیقین صاحب سے جو مولانا صادق الیقین کے صاحبزادے اور حضرت شیخ کے بھی مجازِ بیعت تھے، تذکرہ فرمایا۔ مولانا واثق الیقین نے اپنے دوست اور خواجہ تاش صوفی عبد الرّب صاحب سے جو اپنی قسم کے منفرد بزرگ تھے، اس خدمت کو انجام دینے کی فرمائش کی۔ صوفی صاحب کو مولانا صادق الیقین اور حضرت شیخ الحدیث دونوں سے دلی ارادت اور محبّت تھی۔ محترم صوفی صاحب نے ذوق وشوق کے ساتھ اس کی تعمیل کی۔ ملفوظات کا ترجمہ کیا اور تمہید کے طور پر ملفوظات نگار مولانا صادق الیقین کے مختصر حالات قلم بند کئے۔ اس خدمت کی ۱۸، رجب ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۱، اکتوبر ۱۹۶۸ء کو تکمیل ہوئی۔ مولانا واثق الیقین نے اس ترجمہ کو چھپوانا چاہا تھا، کتابت بھی شروع ہوگئی تھی، مگر کسی وجہ سے کتابت درمیان میں رہ گئی اور اس کی طباعت واشاعت کا کام مکمل نہ ہوسکا۔ اب پہلی مرتبہ اس مجموعہ کا ایک ابتدائی حصہ "احوال مولانا صادق الیقین" یہاں شائع کیا جارہا ہے۔ ترجمۂ ملفوظات بعد کی کسی اشاعت میں شائع ہوگا۔ انشاء اللہ!

●

"ارشاد الصادقین" کے مترجم صوفی عبد الربؒ صاحب کو مرتب ملفوظات مولانا شاہ صادق الیقین سے کئی طرح نسبت واُنسیت حاصل تھی۔ صوفی عبد الرّب کا وطن موضع اگاسنڈ، مولانا صادق الیقین کے وطن کرسی ضلع بارہ بنکی سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور صوفی صاحب کے والد ماجد مولوی عباد علی صاحب، مولانا صادق الیقین کے عزیز ترین اور گہرے دوستوں میں تھے۔ دونوں ہی علم ومعرفت کی وادی کے مسافر اور

ایک ہی سر چشمہ فیض کے پروردہ و فیض یافتہ تھے، مولانا صادق الیقین حکیم الامت مولانا تھانوی کے ابتدائی دور کے ممتاز شاگرد تھے، تو مولانا عباد علی حکیم الامت کے سب سے پہلے مرید و مسترشد۔ ذوق کی اس ہم آہنگی کی بنا پر دونوں ایک دوسرے کے قریب اور ایک دوسرے کے بے حد قدرداں تھے۔ مولوی عباد علی کے اثرات ان کے فرزند صوفی عبدالرب میں اور مولانا صادق الیقین کی نسبت کا پرتو ان کے مجازِ بیعت مولانا واثق الیقین میں جلوہ گر ہوا۔

صوفی صاحب کا سنہ ولادت اور متعلقہ معلومات دستیاب نہیں، صوفی صاحب نے انگریزی اسکولوں میں تعلیم پائی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیر کامل کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد ٹیچر ٹریننگ کے لئے محکمۂ تعلیم میں ملازمت شروع کی، دورانِ ملازمت ہی کانپور سے بی۔اے اور بریلی سے ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔ پوری زندگی اسی سلسلۂ ملازمت سے وابستہ ایک معلّم و استاذ کی حیثیت سے گزاری، مگر صوفی صاحب دینی پختگی، جوش تبلیغ اور غیر اسلامی و غیر شرعی امور سے سمجھوتہ نہ کرنے والی طبیعت کی وجہ سے کسی ایک مقام پر زیادہ نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ اس لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ ان کا جلدی جلدی تبادلہ ہوتا رہتا تھا لیکن نہ انھوں نے کبھی دعوت و تبلیغ میں کمی کی نہ کسی غیر اسلامی چیز سے مصالحت۔

صوفی صاحب ابتدائی عمر میں اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے۔ بعد میں حضرت کی ہدایت کے مطابق مولانا شاہ محمد عیسیٰ الٰہ آبادی سے اصلاح و استفادہ کا تعلق رکھا۔ مولانا محمد عیسیٰ الٰہ آبادی کی وفات کے بعد مولانا شاہ وصی اللہ الٰہ آبادی سے رجوع ہوئے اور اپنے سب ہی مرشدین کی نگاہوں میں محبوب و محترم رہے۔ صوفی صاحب کا دینی حلقوں میں بڑا احترام کیا جاتا تھا، ہر جگہ بلند سے بلند مقام پر بٹھلائے جاتے تھے۔ وہ جہاں تشریف لے جاتے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے تھے اور صوفی صاحب نے بھی اپنی دینی نسبت کو حلقہ بندی اور گروہ بندی میں کبھی محدود ہونے نہیں دیا۔ صوفی صاحب ساری عمر چوکھی لڑائی لڑتے رہے۔ وہ تقریر

سے، تحریر سے، نثر سے، نظم سے، حد یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں سے بھی اسلام کی طرف سے لڑنے والے مجاہد تھے اور آخری عمر تک اسی حال میں رہے۔ حضرت مولانا محمدؒ منظور نعمانی مدظلہ کے الفاظ میں:

"صوفی صاحب اپنے رب کے بڑے وفادار بندے اور مثالی مردِ مومن تھے۔ بعض تابعین کے بارے میں کتابوں میں منقول ہے کہ وہ اپنے مخاطبین اور شاگردوں سے (جنھوں نے صحابہ کرام کو نہیں پایا، نہیں دیکھا تھا) فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ کرام کو پھر ہماری اس مسجد میں بھیج دے تو تم ان کو مجانین (عقل مارے ہوئے دیوانے) سمجھو گے اور وہ تم کو منافق۔ ہمارے صوفی صاحب کا بھی یہی حال تھا۔

دین کے بارے میں ان کی للہ فی اللہ شدت کی وجہ سے بہت کم لوگ ان سے راضی رہ سکتے تھے اور وہ بھی بہت کم لوگوں کو پسند کرتے تھے، اس باب میں وہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے حال کے وارث اور ہم مشرب تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کا مشہور مصرعہ:

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

ان کے بالکل حسبِ حال تھا۔"

آخری دورِ ملازمت میں اُناؤ میں مقیم تھے۔ بالاخر وہیں مستقل سکونت اختیار کی وہیں صوفی صاحب کا ستّر سال کی عمر میں ۲۵، محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۷، فروری ۱۹۷۵ء جمعہ کی شب میں انتقال ہوا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جمعہ کے بعد نبن صاحب کے قبرستان اناؤ میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالی۔ صوفی صاحب نے کیا خوب کہا ہے:

بیمار ہوں، تکلیف ہے بے چین ہوں لیکن
آتی ہیں مدینہ سے بشارت کی ہوائیں
اللہ کی رحمت مجھے آغوش میں لے کر
کہتی ہے چلو خلد میں تفریح کر آئیں

دم توڑ رہا ہوں اسی امید پہ صوفی
شاید مرے احباب بھی سن پائیں تو آئیں

صوفی صاحب قادر الکلام، پُرگو شاعر تھے۔ غزل، قصیدہ، نظم، مثنوی سب کچھ کہتے تھے۔ آمد، روانی، برجستگی ان کے کلام کا خاص جوہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ اور قافیے سب صف باندھے سامنے کھڑے رہتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ صوفی صاحب کے کلام میں حالیؔ اور نظیرؔ اکبر آبادی کا رنگ جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ صوفی صاحب کے کلام کا مجموعہ "کلامِ صوفی" کے نام سے ۱۳۹۸ھ-۱۹۷۸ء میں شائع ہوچکا ہے مگر بعض منظومات ایسی بھی ہیں جو اس مجموعہ میں شامل نہیں ہیں۔---
صوفی صاحب کی نثری تحریرات کم دستیاب ہیں۔ ارشاد الصادقین کا ترجمہ اور اس پر نوشتہ مؤلف کے حالات صوفی صاحب کی غالباً واحد نثری تالیف ہے۔ اس کا یہ نسخہ جو راقمِ سطور کے پیشِ نظر ہے اس کا اکثر حصہ خود صوفی صاحب کا لکھا ہوا ہے اور اس پر مولانا واثق الیقین صاحب کے بھی دستخط ہیں۔ مکرمی مولوی عتیق احمد صاحب ندوی خلف الرشید مولانا واثق الیقین صاحب کی عنایت سے اس نسخہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

صوفی صاحب نے مولانا صادق الیقینؒ کے حالات میں مولانا کے والد شاہ سراج الیقین کے سفرنامہ اور تذکرۂ علما مدارج السالکین کے متعدد اقتباسات نقل کئے ہیں۔ یہ اقتباسات مسلسل عبارت کی صورت میں دیئے گئے ہیں مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ دونوں کتابوں کے مختلف مقامات کے اقتباسات اور خلاصے ہیں۔ دوسرے یہ کہ صوفی صاحب کی تحریر اور مذکورہ کتابوں کی عبارتوں میں کہیں کہیں کچھ اختلاف بھی ہے۔ اس لئے اشاعت کے وقت اقتباسات کے حوالے لکھ دیئے گئے ہیں اور ان مذکورہ کتابوں کے مطبوعہ متن کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ اوپر کی سطروں میں صوفی صاحب کے جو مختصر حالات لکھے گئے ہیں وہ تمام تر "کلام صوفی" (طبع اول، کدمی، گجرات) کی تمہیدات اور مقدمہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں الفاظ بھی اسی کے ہیں۔ (نور)

حضرت جامع ملفوظات کا نامِ نامی اسمِ گرامی محمد صادق الیقین ہے اور شجرۂ نسب حسبِ ذیل ہے:

"محمد صادق الیقین ابن محمد سراج الیقین ابن محمد صمدانی ابن نجات اللہ ابن کفایت اللہ ابن جان محمد ابن عبداللطیف ابن شیخ زاہد ابن شاہ محمد ابن شیخ عبدالحکیم بن قاضی محمود ابن الہٰ داد ابن قاضی محمد ابن قاضی ضیاء الدین ابن نواب امیر الحسام۔"

نواب امیر الحسام عربی النسل تھے اور قبیلہ بنی ثقیف کے چشم وچراغ، جن کا سلسلۂ نسب صرف ایک واسطہ سے محمد بن قاسم فاتح سندھ سے مل جاتا ہے اور سرور کائنات فخرِ موجودات سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل سے مل جاتا ہے۔ امیر الحسام بہ نیتِ جہاد و بارادۂ تبلیغ و توسیع اسلام فوج ظفر مند میں منصبِ جلیلہ سپہ سالاری پر فائز ہوئے۔ غازیٔ اسلام سلطان محمود کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے تھے لیکن اپنے فرائضِ جہاد سے فارغ ہوکر ہندوستان میں سکونت اختیار نہیں فرمائی اور بغداد واپس تشریف لے گئے۔ واپس ہوتے وقت اپنے تربیت کردہ اور اصلاح وتقویٰ سے آراستہ صاحبزادے قاضی ضیاء الدین یوسف محمود سے فرمایا کہ جہاد سے تسخیر ملک وحکومت وبلاد نہیں ہے بلکہ اسلام کے راستہ سے فتنہ وفساد کے کانٹوں اور مزاحمتوں کی جھاڑیوں کو ہٹا دینا ہے۔ یہ کام تو پورا ہو چکا، اب اصل کام حفاظت وشوکت اسلام و تبلیغ و توسیعِ دین کا ہے، جس کو میں تمھارے سپرد کرتا ہوں۔ تمھاری زندگی کا مطمحِ نظر یہی ہونا چاہیئے۔ صاحبزادۂ سعادت آثار واطاعت شعار نے برضا ورغبت والدماجد کے ارشاد کو قبول کیا اور سکونت پذیر ہوکر دین کی خدمت کرتے رہے۔

سید سالار مسعود غازیؒ کے ساتھ لشکرِ اسلام میں ایک بزرگ سید اویس بھی آئے تھے۔ قاضی صاحب نے ان کی صاحبزادی کے ساتھ عقد فرمایا جن کے بطن سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام قاضی محمد ہے۔ یہ بھی صاحبِ اوصافِ حمیدہ تھے۔ اس سلسلۂ نسب میں ہر فرد صاحبِ اوصاف ہوا۔ عہدہ قضا اس سلسلہ کی نادر خصوصیت

رہی۔ چونکہ اختصار مدّنظر ہے اس لئے کئی کڑیاں چھوڑ کر شاہ کفایت اللہ صاحبؒ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا فرزند عطا فرمایا کہ اپنے زمانہ کا آفتابِ ولایت ہوا۔ اور وہ حضرت شاہ نجات اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

شاہ نجات اللہ صاحب کی ذات فیوض و برکات کا لامتناہی مخزن تھی۔ آپ اس قدر صاحبِ شریعت اور متبعِ سنت تھے کہ چہار طرف اس کی شہرت تھی۔ اکابر علماء اور مشاہیرِ زمانہ کو اس کا اقرار و اعتراف تھا۔ حضرت شاہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی میں باہم مراسلت رہتی تھی۔ تحریک جہاد کے امام حضرت مولانا سید احمد شہید رائے بریلویؒ جب مع ایک جماعت علماء آپ کی ملاقات کے لئے کرسی تشریف لائے، پانچ روپیہ بطور ہدیہ پیش کئے۔ سید صاحب کی واپسی کے وقت حضرت شاہ صاحبؒ نے سید صاحبؒ کو بطور ہدیہ وہی پانچ روپیہ واپس فرمائے۔ سید صاحبؒ نے لینے سے حذر فرمایا شاہ صاحب نے فرمایا: "میں نے اس خیال سے لے لئے تھے کہ آپ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں اور اب یہ بطور ہدیہ اس لئے پیش کرتا ہوں کہ آپ سید اور بزرگ ہیں۔" سید صاحب نے قبول فرمایا اور اپنے ہمراہیوں میں سے کسی کو سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ "ان روپیوں کو خرچ نہ کرنا تبرک ہیں۔" پھر جب رخصت ہو کر باہر تشریف لائے تو سید صاحب نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ "میں بہت پھرا، مگر آج ایک بزرگ نگاہ سے گذرے۔"

حضرت شاہ نجات اللہ صاحبؒ کو بڑے بڑے مجاہدات و ریاضات ظاہری و باطنی، اختیاری و اضطراری بکثرت پیش آئے جن کو آپ نے رضا بالقضاء کے ساتھ برداشت فرمایا اور مراتبِ عُلیا پر فائز ہوئے۔ انھیں ریاضات میں سے وہ اہم اور عجیب وغریب سفر ہے جو گنگوہ سے کیرانہ کے لئے آپ کے پیر و مرشد حضرت سید شاہ شاکر اللہؒ کی طرف سے آپؒ پر ڈالا گیا، جس کے بعد حضرت مُرشد نے ارشاد فرمایا کہ "جاؤ میں نے تم کو کرسی نشین کیا۔" اب تم کو ظاہری و باطنی ابتلاءات وامتحانات انشاء اللہ تعالیٰ پیش نہ آئیں گے اور اپنے دستِ مبارک سے اجازت وخلافت کی سند اپنے مبارک دستخط سے

مزین فرماکر عطا فرمائی جس کی نقل "بیاض نجاتیہ" میں خود حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی آج بھی موجود ہے، جو کسی طرح محفوظ رہ گئی، ورنہ بیش بہا نوادر اور عجیب وغریب تحریرات و کاغذات، گردشِ روزگار کے ہاتھوں تلف ہوگئے۔

حضرت مرشد کی پیش گوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کی آخر عمر تک کے لئے کشائش وفراغت ووسعت وعافیت حتی کہ مخدومیت اور شان وشوکتِ دینی ودنیاوی نیز خوارق وکرامات کے ابواب مفتوح فرمادیئے، جن کا بیان بخوف تطویل فی الحال ملتوی کیا جاتا ہے۔ زہد وغنا کا یہ عالم تھا کہ شاہِ اودھ نے بہ نفسِ نفیس خود حاضر ہوکر ایک بڑی جاگیر معافی پیش کرنی چاہی۔ یہ فرماکر انکار فرمادیا کہ جس مالک نے تم کو بادشاہت دی ہے اسی کا میں بھی غلام ہوں، اس غنی کے در کو چھوڑ کر تمھارے جیسے محتاج کا سہارا حاصل کرنا عقل وسمجھ کے خلاف ہے۔ یہ سب چیزیں تو اس کو چاہیئے جو حاجت مند ہو۔ میں اپنے غنی مولیٰ کے فضل سے کل کی فکر نہیں رکھتا اور آج میری کوئی حاجت و ضرورت نہیں۔ تم اپنی جاگیر کو حاجت مندوں پر تقسیم کردو۔ اس فتحِ ابواب کا سلسلہ تادیر باقی رہا، حتی کہ جب آپ نے اپنے صاحبزادے شاہ محمد صمدانی کو اپنی اجازت وخلافت سے سرفراز فرماکر بایماء سرور کائنات و موجودات حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جانشین مقرر کیا تو موصوف کو بھی امتحانات وابتلاآت قطعاً پیش نہیں آئے۔

آپ درگاہ شریف میں اپنے والد ماجد کے پیچھے یعنی مشرق والی قبر میں آرام فرما ہیں۔ ممدوح کا عہد طفولیت بزمانہ شباب تک تحصیل علوم ظاہری وباطنی وحصولِ فضل وکمال کے لئے وقف رہا۔ آپ نے بچپن میں کبھی کوئی کھیل پسند نہیں فرمایا۔ طفلانہ لہو ولعب سے ہمیشہ دُور ونفور رہے۔ جب مطالعہ سے طبیعت مضمحل ہوجاتی تو آپ ظلیل لے کر باغ میں بعد عصر تھوڑی دیر تنہا چہل قدمی فرمالیتے۔ باغ بھی دولت کدہ سے بالکل ملحق ومتصل تھا۔ آپ بالکل خانہ نشین، عزلت گزیں رہتے تھے۔ کرسی میں درگاہ شریف سے ملحق جو مسجد بڑے حافظ جی کی مسجد کہلاتی ہے اس کی تعمیر حضرت صمدانی کی دینی یادگار ہے، جو آج بھی بحمد اللہ آباد ہے۔ آج بھی گلزار ہے اور تبلیغی چہل پہل کا مرکز بھی بنتی جارہی

ہے اورہمارے مولانا واثق الیقین صاحب کی توجہات ومساعی سے اصلاح وتبلیغ کے سلسلہ میں عرصہ سے ان کی کوششیں جاری ہیں اور ماشاء اللہ قرب وجوار پر اچھا اثر پڑ رہا ہے۔ اللھم زد فزد، اللھم بارک فیہ، آمین!

حضرت شاہ صمدانی صاحبؒ نے اپنی اولاد میں سے ولدِ اصغر حافظ شاہ محمد سراج الیقینؒ کو اپنی اجازت وخلافت سے سرفراز فرماکر اپنا جانشین بنایا۔ حافظ صاحب کے اوقات ومشاغل اور احوال ومعمولات کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک عرصۂ دراز تک آپ کا یہ معمول شریف رہا کہ بلاناغہ روزانہ مابین ظہر وعصر ایک قرآن پاک تلاوت فرمالیا کرتے تھے۔ اول وقت ظہر پڑھتے اور عصر میں بدرجۂ استحباب قدرے تاخیر فرماتے۔ یہ معمول رمضان المبارک میں دوچند ہوجاتا اور روزانہ دو ختم کرتے اور کبھی کبھی روزانہ تین ختم تک نوبت پہنچ جاتی تھی، دوسرے معمولات اس کے علاوہ تھے جن کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ منجانب اللہ وقت میں حیرت انگیز برکت دی جاتی تھی اور یہ ادائیگی منجملہ خوارق وکرامت کے تھی۔ مجاہدہ وریاضت پر نظر کر کے آپ کی غذا کو دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ قوّت کیسے بہم پہونچتی تھی۔ بس صبح کے وقت ایک ٹکیہ حاضر کی جاتی تھی، اس کو بھی تنہا تناول نہ فرماتے بلکہ جو بچے مل جاتے ان کو کھینچ کر شریک فرمالیتے۔ ان مشاغل کے ساتھ تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی کافی تھا۔ متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جو آج بھی موجود ہیں۔ جس رسم میں ابتلاء دیکھا بلاتاخیر اشتہار یا کتابچہ شائع فرمایا۔ اسی کے ساتھ خلق خدا کو حاضری کا موقع مرحمت فرماتے۔ منہیات میں لوگوں کا اشتغال دیکھتے تو بیتاب ہوجاتے۔ اکثر مقامی حکام یا وارد وصادر زیارت کے لئے آتے تو ان کے ظاہری فسق پر شدید نکیر فرماتے حتی کہ جوش میں برہم ہوجاتے۔ گاہے مسلمان حکام کی ریش تراشی پر ان کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلاتے اور غضبناک ہوجاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا رعب اور ایسی ہیبت ارزانی فرمائی تھی کہ حاکم ورئیس اور امیر یا فقیر کسی کو ان کے غیض وغضب پر چوں کرنے کی مجال نہ تھی۔ اس نہج کے واقعات بہت ہیں اور دل چسپ بھی ہیں۔ لیکن بخوفِ تطویل حذف کئے جاتے ہیں۔

مثلاً ایک تھانیدار انچارج بغرض زیارت حاضر ہوئے جیسا کہ جو افسر مسلم یا غیر مسلم آتا، ضرور زیارت کو آتا۔ یہ صاحبِ ریش تراشیدہ تھے۔ حضرت نے ٹھوڑی پکڑی اور غضبناک ہو کر فرمایا: "اِنَّا لِلّٰہ! کیا شکل بنا رکھی ہے؟ کیا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے؟ کیا حضرت علیؓ کی یہی شکل تھی؟ حضرت حسینؓ کا ماتم کرتے ہو اور صورت میں ان کی مخالفت، کیا تم کو شرم نہیں آتی؟ وہ نہایت خفیف ہوئے۔ چند ماہ بعد پوری ڈاڑھی کے ساتھ حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت نے پہچانا نہیں۔ یہ وہی غلام ہے حضرت نے جس کی ٹھوڑی پکڑی تھی۔ حضرت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

حضرت پر زہد وفقر کا اتنا غلبہ تھا کہ اگر آٹھ دس روپیہ سے زائد آجاتے تو گھبرا جاتے تھے۔ اپنی عمر میں تین بار اپنا سب کچھ صدقہ کر دیا۔ جب اپنے صاحبزادے حضرت مولانا صادق الیقین علیہ الرحمہ کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں خرچ کی تنگی ہوگئی تو رئیسِ گورکھپور مولوی سبحان اللہ صاحب نے تین سو روپیہ تار سے بھیجے۔ اس اثناء میں حضرت مولانا صادق الیقین علیہ الرحمہ کو فتوحات کی اتنی کثرت بطور کرامت ہوئی کہ بے نیازی ہوگئی تو حضرت حافظ صاحبؒ نے وہ رقم واپس فرمادی تو مولوی سبحان اللہ نے یہ عرض کیا کہ اگر میری یہ نذر نہ قبول فرمائی جائے گی تو میرے لئے سخت پریشانی ہوگی اور میں خطرات میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ آپ میری اس نذر کو قبول فرمالیں، چاہے دوسروں پر آپ تقسیم فرمادیں۔ چنانچہ حضرت حافظ صاحب نے وہ ساری کی ساری رقم دوسروں پر تقسیم فرمادی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا استغنا مرحمت فرمایا تھا کہ حالات پر نظر کرکے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

حضرت کے تعلقات اکابر زمانہ سے نہایت قریبی تھے۔ اپنے آخر زمانہ میں امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کو جو خط تحریر فرمایا اس کا مضمون یہ تھا:

"فقیر اپنی زندگی کی منزلیں ختم کرکے قبر میں پیر لٹکائے بیٹھا ہے۔ اعمال کچھ بھی نہیں، تہی دست ہوں۔ رات دن اسی خلجان میں پڑا رہتا ہوں کہ قبر والی منزل کیوں کر کٹے گی اور آخرت میں کیسے گذرے گی۔ آپ عالمِ ربانی ہیں آپ میرے لئے للہ دعا

فرمادیجئے کہ میری مغفرت ہوجائے اور وہاں کی پکڑ سے بچ جاؤں۔"

اس کا جو جواب حضرت امام ربانیؒ نے مرحمت فرمایا اس سے تعلقات کی نوعیت اور حضرت حافظ صاحب کی عزت و مرتبت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت امام ربانیؒ نے جواب تحریر فرمایا:

"حضرت حافظ صاحبؒ! آپ جیسے بزرگ مجھ جیسے ناکارہ سے دعا کی خواہش فرماتے ہیں، آپ جب اس دنیا سے رخصت ہوں گے تو قبر میں اللہ کے انوار آپ کو گھیر لیں گے۔ آپ کی عبادتیں، آپ کے مجاہدات کی ریاضتیں یہ سب کے سب رحمت و برکت و نور بن جائیں گے، جن سے انشاء اللہ سکون ہی سکون ہوگا اور ایسی راحت نصیب ہوگی جس کا یہاں قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

چونکہ حضرت امام ربانیؒ حافظ صاحب کے صاحبزادے کے شیخ بھی تھے اس لئے ان سے خصوصی لگاؤ اور تعلق تھا۔ اسی طرح اپنے صاحبزادے مولانا صادق الیقین صاحب کے استاذ شفیق حضرت تھانویؒ سے بھی نہایت قریبی و خصوصی تعلق تھا۔ حضرت حکیم الامت بہ نفسِ نفیس کرسی کئی بار تشریف بھی لائے اور فرنگی محل کے علماء کرام بارہا تشریف لائے۔ اکابر فرنگی محل کے فردِ فرید، یگانۂ روزگار، محقق بے بدل حضرت مولانا عبدالحیؒ دعا کے معاملہ میں حضرت حافظ صاحب کی طرف روجوع فرماتے تھے۔ چنانچہ موصوف کے خطوط بھی دعا طلبی کے سلسلہ کے اب تک موجود ہیں۔ پھر دوسرے حضرات کا کیا کہنا۔ دعا طلبی کے لئے حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں برابر خطوط کی آمد جاری رہتی تھی۔ بڑے بڑوں کو ان کے مستجاب الدعوات ہونے کا وثوق کے ساتھ یقین تھا اور یہ ترکہ حضرت حافظ صاحب کے جدامجد کا، کہ حضرت شاہ نجات اللہ علیہ الرحمہ مسلّمہ طور پر بڑے عجیب و غریب مستجاب الدعوات تھے۔ اس سلسلے کے واقعات نہایت ایمان افروز ہیں۔

مولانا صادق الیقین علیہ الرحمہ دوسرے حج میں مکہ مکرمہ ہی میں بیمار ہوکر واصل بحق ہوگئے۔ حافظ صاحب کو جو صدمہ پہنچا اس کا بیان حیطۂ امکان سے قطعاً باہر ہے۔ وطن

باہر ہونے پر حضرت حافظ صاحبؒ کے پاس بغرض تعزیت حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ، یعنی والد بزرگوار حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم اور مولانا سید احمد مدنیؒ ایک ساتھ تشریف لائے اور حضرت حافظ سے معانقہ کر کے اس طرح روئے کہ اس کی تصویر کھینچنا ناممکن ہے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب تو بلک بلک کر خوب پھوٹ کر زار زار روئے، اور حضرت حافظ صاحب کی حالتِ زار تو ایسی ہوگئی کہ ترس آتا تھا۔ معاصرین سے حضرت حافظ صاحب کے تعلقات وخط وکتابت کی تفصیل طویل ہے۔

حضرت حافظ صاحب درگاہ اگلی قبر یعنی مغربی قبر میں اپنے جد امجد حضرت شاہ نجات اللہ صاحب کے آگے محوِ خواب ہیں۔ گویا پوتا اپنے داد کی گود میں میٹھی نیند سو رہا ہے۔ درگاہ کے اندر بس یہی تین قبریں ہیں۔ یعنی درمیان میں حضرت شاہ نجات اللہ صاحب، ان کے مشرق میں حضرت شاہ محمد صمدانی صاحب اور ان کے مغرب میں حضرت حافظ صاحب آرام فرما ہیں۔ (یہ مغربی قبر کی جگہ حضرت مولانا صادق الیقین صاحب نے پدر بزرگوار سے اپنے لئے مانگ لی تھی، لیکن علمِ قضا وقدر میں اس طائرِ لاہوتی اور مرغِ بہشتی کے لئے باغِ فردوس مقدر تھا اور گلزارِ معلّی کا روضہ کاتبِ تقدیر نے لکھ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ وہیں آسودۂ منزل ہوئے اور یہ جگہ آخر کار حافظ صاحب ہی کے حصہ میں آئی) درگاہ کے بیرونی گوشوں میں اور اکابر خاندان کی قبور ہیں اور درگاہ کے ہر چہار جانب صحن میں بھی افراد خاندان خوابیدہ ہیں جن کا بیان ناچیز راقم نے بہ خوفِ تطویل نہیں کیا۔ صرف مولانا صادق الیقین ہی کے آباء واجداد کا منفرد ذکر کیا ہے، جو ایک نورانی سلسلہ ہے اور یہ کہنا حرف بحرف صحیح ہے کہ:

ایں خانہ تمام آفتاب است ایں سلسلہ طلائے ناب است

روضہ کے اندر کی کیفیت کیا بیان کی جائے۔ یہ بے بصیرت اور بے ادراک تو یہ مثال پیش کرتا ہے کہ جیسے کوئی دھوپ کھایا ہوا پیاسا کسی گھنے درخت کی چھاؤں میں پہنچ جائے، جہاں آبِ خنک اور ہوائے سرد سے بہرہ یاب ہو جائے، جن کو اللہ تعالیٰ نے نورِ بصیرت بخشا ہے اور صاحبِ ادراک بنایا ہے ان کو جو لذت وفرحت اور جو کیف وسرور

حاصل ہوگا اور جو انوار ان پر منکشف ہوں گے بس وہی جانیں دوسرا کیا سمجھے۔

اب ہم صاحب سوانح حضرت مولانا صادق الیقین علیہ الرحمہ کے احوال لکھتے ہیں جس کے لئے سطورِ بالا تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ عرض کرنا مبالغہ سے خالی نہیں ہے کہ حضرت مولانا صادق الیقین صاحب علیہ الرحمہ اپنے آباء واجداد اکابر اولیاء اللہ کی خصوصیات کا مجموعہ اور خلاصہ تھے۔ اگرچہ آپ نے بعمر ۳۵ سال انتقال فرمایا لیکن اس مختصر عمر میں فضائل وکمالات مفصّل طور پر اللہ تعالی نے مرحمت فرمائے تھے۔ ان کے والد بزرگوار حضرت سراج الیقین رحمۃ اللہ علیہ کو اگرچہ بیٹے سے بعض فقہی مسائل میں قدرے اختلاف تھا لیکن باوجود اس کے انھوں نے کھلے دل سے فرمایا ہے کہ میرا بیٹا مجھ سے بہت بڑھ گیا ہے اور ایسے تعظیمی کلمات ارشاد فرمائے ہیں جن کا احاطہ بھی احتیاط ہی سے ہوسکتا ہے اور اسی طرح حضرت صاحب سوانح کے استاذ محترم حضرت تھانوی نے اعتراف فرمایا، نیز حضرت گنگوہیؒ نے بھی دل کھول کر تحسین فرمائی ہے۔ نیز موصوف کے تمام اکابر معاصرین ان کے عاشق تھے اور ان کے تعلق سے سب نے مولانا واثق الیقین کے ساتھ ایسا برتاؤ فرمایا جس سے ان اکابر کے خصوصی تعلق کا حضرت صاحب سوانح کے ساتھ اندازہ ہوتا ہے جو ان اکابر کی نظر میں حضرت موصوف کی شانِ والاشان تھی۔

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کے ساتھ حضرت صاحبِ سوانح کا جو رویہ تھا اس سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ ایسے طالب پر انوار الٰہی اور فیضانِ لامتناہی کی کیسی کچھ بارشیں ہوئی ہوں گی۔ حضرت اپنے شیخ کی مجلس میں کبھی بلاوضو شریک نہ ہوتے، کبھی حضرت شیخ کو بلاوضو عریضہ نہ لکھتے۔ کبھی حضرت شیخ کے مرسلہ مکتوب گرامی کو بلاوضو نہ چھوتے۔ ادب کا یہ عالم تھا کہ خود حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے دو باادب چھانٹے ہیں۔ ایک مولانا صادق الیقین صاحب، دوسرے مولانا محمد یحیٰ صاحب۔ حضرت مولانا کی لطافت ونفاست کی مدح حضرت تھانویؒ جیسا نقاد فرماتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضری کے وقت بطور ہدیہ مربہ واچار وغیرہ لیجاتے، اس کی نفاست پر تحسین وآفریں۔ حضرت تھانویؒ سے منقول ہے جو حلوہ وغیرہ استاد شفیق کے لئے بطور ہدیہ لیجاتے،

حضرت تھانویؒ ہدایت فرماتے کہ اس کو ہمارے لئے علیحدہ محفوظ رکھا جائے۔ حضرت مولانا کی محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پہونچتے تو اس طرح ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے، گویا اپنا فرزند سعید بعد مدت عید کا چاند بن کر آیا ہے حضرت مولانا گنگوہیؒ نے غایتِ تعلق ومحبت کی بنا پر فرما دیا تھا، میری اشیاء کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہے وہ سب مولانا صادق الیقین و مولانا محمد یحییؒ کے لئے اصلاً مباح ہیں۔

ناچیز راقم کے والد ماجد کا بیان ہے کہ مولانا کتابوں کا مطالعہ فرماتے وقت ورق گردانی نہ انگلی میں لب لگا کر فرماتے نہ بدون لب چٹکی سے ورق الٹتے، بلکہ صاف شفاف چاقو سے الٹتے تھے۔ حضرت مولانا کی نفاست کے بعض واقعات ناچیز نے اپنی والدہ سے سُنے ہیں۔ وہ فرماتی تھیں کہ کھانا تناول فرمانے کے بعد مولانا کے آگے سے جو برتن گھر میں آتے ان میں جس میں چاول بچے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کسی نے چاقو سے تراش کر دوسرے ظرف میں نکال لئے ہیں اور باقی پلیٹ میں پس خوردگی کا کوئی نشان تک نہ ہوتا اور جس ظرف میں پس خوردہ نہ بچتا وہ ایسا واپس آتا گویا پانی سے دھو کر بھیجا گیا ہے۔ اسی طرح کوئی پھلکا یا چپاتی شکستہ یا غیر مسلم کبھی نہ آتی۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ مولانا پان کھاتے تو لبوں پر پان کی سرخی کا خط نہایت معتدل اور حسین پڑتا تھا۔ کسی طرف پیک قطعاً نہ پھیلتی۔ پان کھاتے تو نہ جانے کہاں سے خوشبو پیدا ہو جاتی۔ منہ سے برابر خوشبو نکلتی رہتی تھی۔ اگالدان میں پیک ڈالتے تو کسی جانب چھینٹ یا داغ ودھبہ نہ پڑتا۔ پیک سیدھی خلا میں غائب ہو جاتی۔ یہاں یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ کبھی قبلہ کی جانب تازندگی تھوکنے کی مثال نہیں ملتی، قبلہ رُخ کے علاوہ اتر کی سمت بھی پیر پھیلانے کی عادت نہ تھی۔ ان کے ادب کی سند پہلے مذکور ہو چکی ہے۔

شیخ کے ساتھ شدّتِ تعلق کا ایک واقعہ والد مرحوم نے بیان کیا۔ مولانا کو جب گنگوہ جانا ہوتا تو اپنے ارادہ کا ذکر والد بزرگوار کی خدمت میں بطور اجازت طلبی کرتے۔ ان کی طرف سے اجازت مع سفرخرچ کے مرحمت ہوتی تھی۔ ایک بار اسی طرح اپنے ارادے کا ذکر کیا، جواب نہ پایا۔ حاجی عبدالرحیمؒ کو جو خانوادہ کے مخلص خادم بلکہ غلام بے دام تھے

اور صاحبِ نسبت اہلِ دل بھی تھے، متعین فرمایا کہ حضرت حافظ صاحب کے قریب ہی جواب کے منتظر رہیں۔ تھوڑی دیر میں حاجی عبدالرحیم صاحب مسجد کے اندرونی حصہ سے جواب لیکر کنوئیں کے پاس آئے۔ مولانا آستین چڑھائے ہوئے وضو کے لئے خود کنوئیں سے پانی نکال رہے تھے۔ حاجی عبدالرحیم کی زبانی جواب نفی میں سن کر ششدر رہ گئے اور معاً کھلی ہوئی باہوں کے ہر بنِ مو پر خون کی بوندیں جھلکنے لگیں۔ حاجی عبدالرحیم جو مولانا کے عاشق زار اور فداکار تھے یہ رنگ دیکھ کر حافظ صاحب کی خدمت میں دوڑ کر گئے اور چشم دید کیفیت منّ وعنٗ جا سنائی۔ حافظ صاحب بیتاب ہوگئے اور بہ نفسِ نفیس مولانا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ سفر خرچ موجود ہے، جس دن مناسب سمجھو روانگی کی اجازت ہے اور بھی دل جوئی کے کلمات فرمائے اور مولانا کو پھر افاقہ ہوگیا۔ اور ہشاش بشاش ہوگئے۔

مولانا پر عقیدۂ توحید کا شدید غلبہ تھا۔ اس ضمن کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے جس کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سن کر کہا کہ ان کے حالات میں چوٹی پر رکھنے کے قابل واقعہ ہے جس کا بیان یہ ہے کہ مولانا کے جسم کے حصۂ اسفل پر کبھی کبھی ایسا مادہ اترتا تھا کہ دردوکرب سے بے چین ہوجاتے اور قدموں اور پھیلیوں پر ایسا آماس (ورم) ہوجاتا تھا گویا قدم کی جلد پھٹ جائے گی۔ ایک مرتبہ مولانا نے شہداء کی قبروں پر اُگے ہوئے نیم کے درختوں کی ٹہنیاں کٹوادیں، جن کا سایہ کھیت کے لئے ضرر رساں تھا اس کے بعد ہی مذکورہ بالا دورہ پڑگیا اور بستی میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ شہیدوں نے مولانا کو مبتلا کردیا۔ اب دیکھئے کیا ہو، مولانا کو اس کی خبر نو بجے رات کو ہوئی۔ اسی وقت حاجی عبدالرحیم کو طلب فرمایا اور ان سے کہا کہ تمھارے سپرد ایک اہم کام کرنا چاہتا ہوں بولو کیا کہتے ہو؟ حاجی عبدالرحیم نے کہا پوچھ کر تو آپ نے مجھے ملول فرمایا، میری جان تو آپ کے لئے وقف ہے، آپ صرف حکم دیجئے، غلام سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں، اگر کوئی ایسا کام بھی ہو جس میں میری جان کام آجائے تو میری عین کامیابی ہے، مولانا نے فرمایا کہ اچھا تو پھر شہداء کے مزارات کے اوپر کی تمام نیمیں جڑ سے کھود کر مجھ کو اطلاع کرو۔ وہ اللہ کے

بندے حکم کے مطابق اسی وقت رات ہی میں گئے اور تمام درخت کاٹ کر رات ہی میں خوش خبری لائے کہ حضرت حکم کی تعمیل ہوگئی۔ یہ سن کر مولانا نے فرمایا الحمدللہ! اور فرمایا کہ بستی والوں کے ایمان کی بربادی کا سامان دیکھ کر موت بھی مکروہ اور دوبھر تھی اب اگر مرنا ہی مقدر ہے تو موت میرے لئے آسان ہوگئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا کہ صبح ہی کو افاقہ نمودار ہوگیا اور بہت جلد صحت حاصل ہوگئی اور ایسی توانائی، رعنائی اور بشاشت وشادابی حاصل ہوگئی کہ مولانا واثق الیقین فرماتے تھے:

"میری والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ تمھارے والد صاحب کی صحت اتنی شگفتہ کبھی نہیں دیکھی تھی۔"

صحت کی اسی توانائی کی حالت میں سفر حج پیش آیا کہ جس کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا۔

مولانا مجاہدات اور ریاضات میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، طریقہ سلوک کے اصول اربعہ یعنی قلتُ الکلام، قلتُ الطعام، قلتُ المنام اور قلتُ الاختلاط مع الانام میں سے ہر ایک پر بہ درجۂ اتم عمل تھا۔ قلۃ الطعام پر اس طرح عمل کیا کہ بیری کی ایک گیلی لکڑی پاؤ بھر وزن کی سایہ میں رکھی اور اس سے تول کر ساری جنس پکانے کے لئے لی جاتی۔ وہ لکڑی جب تدریجاً سایہ میں بالکل خشک ہوجاتی تو اس خشک لکڑی کے ہم وزن گیلی لکڑی لی جاتی وعلی القیاس۔ حتی کہ خوراک گھٹ کر دو تولہ جنس کے بقدر رہ گئی اور اس قلتِ غذا کی وجہ سے معدہ پر خراب اثر پڑگیا جس کا علاج کرنا پڑا، اور غذا کی مقدار کو بقدر طبی بڑھانا پڑا، پھر بھی غذا نہایت قلیل رہی، مولانا واثق الیقین فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں بمشکل بقدر ایک چھٹانک تک کی غذا کا معمول بن گیا تھا۔

قلتُ المنام کے سلسلے میں یہ بات ضمناً یہاں قابلِ ذکر ہے کہ حضرت ممدوح نہایت بلند پایہ حاذق طبیب بھی تھے، مشاہیر اطباء اہم علاجات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اکثر بگڑے ہوئے مریضوں کو حضرت ممدوح کے پاس بھیج دیا کرتے تھے، حضرت مولانا واثق الیقین صاحب فرماتے ہیں:

میں نے اپنے مطب میں بعض مایوس صورتوں میں حضرت والدی علیہ الرحمہ کی بیاض سے مدد لی، اور جس نسخہ کو اختیار کیا وہ تیر بہ ہدف ثابت ہوا اور ہمیشہ کے لئے میرا پیٹنٹ نسخہ ہو گیا۔"

حضرت مختصر اجزاء کا نسخہ تحریر فرماتے اور وہ نہایت زود اثر ثابت ہوتا۔ لوگ اس کو تعویذ بنا کر رکھ لیتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے، حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے ہدایت فرمادی تھی کہ "صادق الیقین! فنِ طب کو پیشہ نہ بنانا،" چنانچہ حضرت نے اس ہدایت پر ایسا عمل فرمایا کہ خاص حلقہ کے علاوہ بالعموم لوگوں کو آپ کا طبیبِ حاذق ہونا بھی معلوم نہ تھا۔ بہرحال طب کی متداول کتابوں میں الّو کے لئے جو خواص تحریر ہیں ان سے حضرت ممدوح کو خوب واقفیت تھی کہ اگر الّو کو شکار کیا جائے تو جب وہ شکار ہو کر گرتا ہے تو اس کی ایک آنکھ قدرتاً کھُلی رہ جاتی ہے اور دوسری بند ہو جاتی ہے، کھلی رہ جانے والی آنکھ میں یہ تاثیر ہے کہ اگر اس کو نکال کر اپنے پاس رکھا جائے تو نیند اڑ جاتی ہے اور بند ہو جانے والی آنکھ کی تاثیر اس کے برخلاف ہے، اس کو نکال کر اپنے پاس رکھنے سے نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ممدوح نے نہایت اہتمام سے الّو کا شکار کیا، کھلی رہ جانے والی آنکھ نکلوائی اور اس کو طبی اصول سے صاف کر کے اپنی انگشتری کا نگینہ بنالیا۔ سنا گیا ہے کہ اس انگشتری کو استعمال فرماتے جس سے شب بیداری میں مدد ملتی۔ جب حضرت ممدوح کے اس عمل کی اطلاع حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو انھوں نے حضرت ممدوح کو تحسین کے کلمات فرمائے اور پورے واقعہ کو خود بیان فرمایا، نیز یہ فرمایا کہ الّو کی دوسری بند ہو جانے والی آنکھ میرے کام کی تھی، خدا جانے حضرت ممدوح کتنا سوتے ہوں جبکہ موصوف کی چائے نوشی کا شغف بھی مشہور ہے جو شب بیداری میں اعانت کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ تہجد کے وقت چائے نوشی اکثر بزرگوں کا معمول رہا ہے، حضرت ممدوح کی چائے نوشی میں جو لطافت و نفاست ہوتی تھی وہ مشہور ہے، گنگوہ کے دورانِ قیام میں ایک بار مولانا کی چائے کا ذخیرہ اتفاقاً کسی وجہ سے ختم ہو گیا، آپ نے اپنے خالص و مخلص

دوست اور خواجہ تاش مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے فرمائش کی، کہیں سے چائے فراہم کیجئے، انھوں نے براہ راست اپنے شیخ حضرت گنگوہیؒ سے اس کا ذکر کرکے درخواست کی کہ حضرت اجازت مرحمت فرمادیں تو حضرت ہی کے چائے کے ذخیرہ میں سے مولانا صادق الیقین صاحب کو پیش کردوں، حضرت گنگوہی نے وہ بات اسی موقع پر فرمائی تھی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ میں اعلان کئے دیتا ہوں کہ میری اشیاء میں سے ہر چیز مولوی صادق الیقین کے لئے نیز تمہارے لئے اصولاً مباح ہے اور تم دونوں میں سے کسی کو اجازت لینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ممدوح کی ابتدائی تعلیم اکتسابِ علوم وحصولِ فضل وکمال کے سلسلہ میں حضرت ممدوح کے والد ماجد حضرت حافظ شاہ سراج الیقین نے جو یادداشت چھوڑی ہے یہ ناچیز راقم اسی کو ہی مِن وعَن نقل کرتا ہے کہ اس میں برکت بھی ہے اور اس کی صداقت کا درجہ اس سے بلند ترین ہوسکتا ہے۔ وہُوَ ہٰذا۔:

"نورِ بصر، لختِ جگر مولانا حاجی (خلف الصدق، حقیر مؤلف رسالہ ہٰذا) شاہ محمد صادق الیقین صاحب! کتبِ متوسطہ آپ نے مولانا حکیم محمد حسین صاحبؒ مانکپوری سے پڑھیں اور حدیث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھیں اور باقی کتبِ درسیہ تفسیر وفقہ ومنطق وغیرہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ سے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں پڑھیں۔ حضرت مولانا آپ کی ذہانت کی تعریف کرتے تھے، آپ حضرت مولانا کے ارشدِ تلامذہ میں ہیں۔ آپ طبیب بھی تھے، پھر طب آپ نے حکیم عبد العزیز سے پڑھا تھا، طبیب حاذق تھے، بیعت اوّل آپ نے خاندانِ قادریہ رزاقیہ، فقیر کے ہاتھ پر کی اور اس کی درس گاہ کی سجادہ نشینی اور خلافت آپ کو سپرد کی گئی، پھر جب ۱۳۱۰ھ میں بمعیت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ حج کو تشریف لے گئے تو وہاں فقیر کی اجازت سے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی سے بیعت کی اور خواص صحبت حاصل کئے اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ کی معیت میں شیخ القراء قاری عبد اللہ صاحب سے مکہ معظمہ میں ۶ ماہ علم قرأت اور تجوید حاصل کی۔

مدینہ منورہ میں حضرت شیخ علی طاہر محدث مدینہ سے حدیث کی اجازت اور سند لی۔ حدیث مسلسل بالاولیت کی سند اور اجازت آپ کو حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب مراد آبادیؒ سے بھی تھی، بعد واپسی سفرِ حجاز ومقاماتِ مقدسہ بہدایت وارشاد حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحبؒ قدس سرہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے رجوع فرمایا اور پندرہ سال تک آپ سے استفادہ علومِ طریقت کا کرتے رہے اور نعمتِ خلافت سے مشرف ہوئے۔

آپ ہر سال ایک بار کبھی دو بار اور کبھی تین بار گنگوہ جاتے رہتے تھے اور کئی کئی ماہ تک مقیم رہ کر تعلیم وتربیت اور فیضِ باطن حاصل کرتے تھے، زمانہ سلوک میں آپ نے سخت مجاہدات کئے، مہینوں گنگوہ میں رات رات بھر بیدار رہتے تھے اور غذا مقدار قلیل میں کھاتے تھے، حضرت مولانا گنگوہیؒ کی آپ پر خاص توجہ اور شفقت تھی اور آپ کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے یہاں تک کہ ایک روز فرمایا: "مجھ میں اور مولوی صادق الیقین میں کچھ فرق نہیں۔"

ایک روز مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ میں اپنی محرومی کا سبب یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے حضرت کی مجلس کا ادب ہو نہیں پاتا میرے سوا اور حضرت کے خدام اس کو پورے طور پر بجالاتے ہیں۔ مولوی صادق الیقین صاحب کی یہ حالت ہے کہ کبھی بے وضو حضرت کے سامنے نہیں آتے اور کبھی بے وضو حضرت کی مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے، حضرت کی کوئی چیز بے وضو نہیں چھوتے تھے، بخلاف میرے کہ مجھے مجلس شریف میں کچھ احترام نہیں ہوسکتا۔ ارشاد فرمایا، میں نے اپنے تمام مجمع میں دو باادب چھانٹے ہیں، ایک تم کو دوسرے مولوی صادق الیقین کو۔

آپ اتباع اور پابندیٔ شریعت کے بے حد عاشق اور شیدا تھے، آپ کی استعداد فارسی میں بھی بہت کامل تھی اور خط نستعلیق کے خوشنویس تھے، چند کتابیں آپ کی تصانیف ہیں۔ دوبارہ حج کے لئے ۱۳۲۳ھ میں تشریف لے گئے اور ہجرت کی نیت کی، حضرت مولانا محمد خلیل احمد صاحبؒ ساتھ تھے، بعد حج مکہ معظمہ میں ۱۳۲۴ھ میں

واصل بحق ہوئے، آپ کا مرقد جنت المعلیٰ میں شعبۃ النور کے اندر حضرت سید عبد الرحمن بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مزارِ مبارک کے قریب ہے۔[۳۵]"

حضرت صاحب سوانح کی حیاتِ مبارکہ کا خاص واقعہ ان کے دوسرے سفرِ حج کا دلچسپ ودلدوز بیان ہے کہ وہ حضرت کی حیات کے آخری ایام بھی ہیں اور حضرت کی وفات حسرت آیات ہی پر ختم ہوئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں حج پر روانگی سے قبل جو جو واقعات پیش آئے وہ سرتاپا عشق ومحبت کی کہانی ہیں، جب حضرت ممدوح نے حج کا ارادہ فرمایا تو زادِراہ کا انتظام اپنے لئے کیا اور اپنے خادمِ خاص حاجی عبد الرحیم کے لئے کیا لیکن اپنے عزمِ حج اور نظم زاد راہ کو ایک راز رکھا، اس کی خبر کسی کو نہ کی، حتی کہ اس کو اپنے والد بزرگوار سے بھی پوشیدہ رکھا اور تو کیا کہا جائے خود اپنی رفیقۂ حیات اہلیہ محترمہ تک سے چھپایا، جو حضرت کی صرف بیوی ہی نہ تھی بلکہ اطاعت وخدمت کا جو جذبہ تھا اس سے بھی یہی معلوم تھا کہ ان کی زر خرید لونڈی ہیں اور شوہر کی خدمت ایک مریدہ کے اندازہ پر بڑی دُھن اور لگن کے ساتھ اور اخلاص کے ساتھ کرتی تھیں، حضرت کے فیض صحبت سے وہ رابعہ بصریہ بن گئی تھیں، بڑی عابدہ، زاہدہ، صالحہ بیوی تھیں اور ان کا شب وروز کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ حضرت پر سوجان سے نثار ہوتی تھیں، بلاشک ان کا یہ حق تھا کہ وہ اس راز کی رازدار بنائی جاتیں، لیکن مولانا کا اپنے مولیٰ سے جس راز ونیاز کا معاملہ تھا اس نے حضرت، کو کفِّ لسان پر مجبور کر دیا۔ آخر یہ راز کب تک پوشیدہ رہتا، پہلے آپ نے اجازت وخلافت وجانشینی کا معاملہ اسی اخفاء کے ساتھ حیرت انگیز اور رقّت خیز طریقہ پر رات کی تاریکی میں اور درگاہ کے اندھیرے میں فرمایا، جس کا بیان انشاء اللہ آگے آئے گا۔ اس کے بعد عزمِ حج کے راز کا افشاء چاروناچار والد بزرگوار کی خدمت میں فرمایا، وہ نہایت متاثر ہوئے، فرمایا کہ میں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں تمہارے دم سے آنکھیں روشن ہیں اور تم کو دیکھ کر جسم میں کچھ توانائی آجاتی ہے کیا تم مجھ کو یہاں تنہا چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟ تمہاری عدم موجودگی میں میرا آخری وقت کہیں نہ آجائے۔ یہ سُن کر حضرت مولانا نہایت متاثر ہوئے اور عرض کیا کہ ابّا میں تو اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکا ہوں اور نذر مان لی ہے۔ میرا تو

جانا ضروری ہے، اس پر حضرت حافظ صاحب نے فرمایا پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے وہیں قبول فرمائے اور وہیں آسودۂ خاک ہوجاؤں۔ حضرت نے عرض کیا کہ ابا ابھی تک زادِ راہ کے سلسلے میں کسی درجہ میں کچھ اپنے لئے کیا ہے اور کچھ عبدالرحیم کے لئے، اب اگر آپ بھی عازم ہیں تو بسم اللہ، انشاء اللہ تعالیٰ کچھ ہو ہی جائے گا، اس کے بعد حضرت ممدوح نے سوچا کہ حضرت والا بوڑھے اور کمزور ہیں ان کی خدمت کے لئے قوی الجثہ رفیق کی ضرورت ہے جس کے لئے مولانا نے مولوی حافظ محمود العافی صاحب کو منتخب فرمایا، جو جوان صالح بھی تھے اور رفاقت وخدمت کے لئے نہایت موزوں بھی تھے، کیونکہ حضرت ممدوح کے حقیقی بھانجے اور انہیں کے تربیت کردہ تھے اور حضرت حافظ صاحب کے مطیع ومنقاد نواسے تھے۔ اپنے نانا ہی کے دست حق پرست پر بیعت بھی تھے۔

الغرض مولانا نے اپنے والد ماجد اور اپنے بھانجے دونوں کے لئے زادِ راہ کا انتظام کیا۔ اب بات اتنی پھیل چکی تھی کہ حضرت کی اہلیہ محترمہ کو بھی خبر ہوگئی، وہ نہایت بے قرار وبے تاب ہوگئیں اور خدمت میں عرض کیا کہ کیا آپ مجھ کو یہاں چھوڑ کر تنہا چلے جائیں گے؟ یہ ہرگز ہرگز نہ ہوگا، میں آپ کو کہاں چھوڑ سکتی ہوں، میں تو آپ کے ساتھ ضرور چلوں گی، آپ میرے زادِ راہ کی فکر نہ کریں، جو کچھ میرے ماں باپ نے دیا ہے اس کو بالکل نکال دوں گی اور سفر خرچ کا سامان کر کے آپ کے ساتھ ہوجاؤں گی، یہ واضح ہو کہ اہلیہ محترمہ ایک اچھے زمیندار گھرانے کی صاحب زادی تھیں، اس وقت ان کے ماں باپ بھی حیات تھے اور پانچ چھ بھائی اچھے حالات کے ساتھ موجود تھے، اہلیہ محترمہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں اس لئے بے حد چہیتی تھیں۔ مولانا جیسے رقیقُ القلب، وفاشعار، حق گذار، سرتاپا محبت اور سوز وگداز اپنی اہلیہ کے اس انداز اور گفتار پر ہمہ تن راضی اور تیار ہوگئے، جس طریقہ سے موصوفہ نے سوچا تھا، زادِ راہ کا سامان ہوگیا، قافلۂ حج کے قافلہ سالار اور والد بزرگوار کے فرزند اطاعت گذار ہو کر حج کے لئے پا برکاب ہوگئے، حضرت ممدوح کی خورد سال صاحبزادی بی بی رقیہ خاتون بھی اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ

تھیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس پُرانوار قافلہ کی روانگی کا منظر چشم تصور سے دیکھیں اور ناظرینِ کرام کو دکھائیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے جانشین کا جو معاملہ بصیغۂ راز اخفاء کے ساتھ فرمایا اس کو بیان کر دیا جائے۔ جب حضرت ممدوح نے حج کا ارادہ کیا تو جانشین کا انتظام بھی ضروری سمجھا اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کو صفاء قلب اور نورِ بصیرت یا القاء کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ آپ کی عمر شریف اس وقت ۳۵ سال کی تھی، صحت و توانائی نہایت عمدہ تھی، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ بھلا ایسے بھرپور اور پختہ عالمِ شباب میں کسی کو اپنی موت کا گمان بھی ہوسکتا ہے لیکن مولانا پر حق تعالیٰ نے وہ راز منکشف فرمادیئے تھے جن سے سب ناآشنا تھے، الغرض آپ نے پردۂ راز میں اجازت وخلافت نامہ مرتب فرمایا، اس وقت حضرت کی اولاد میں جو صغیر السن بچہ تھا آپ نے اسی کو منتخب فرمایا۔ اگرچہ اس نونہال کے دو بڑے بھائی بھی موجود تھے جن کی عمریں سنِ شعور وہوشمندی کے حدود تک کماحقہ پہونچ چکی تھیں، نیز ان میں بڑے مولوی وحید الیقین جو اب سے چند سال پیشتر مرحوم ہوچکے ہیں، محبوب بھی تھے حتی کہ داداجان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھے، جن کی رہائش و پرورش، داشت و پرداخت بوجہ محبت شدیدہ داداجان ہی فرماتے تھے اور مستقلاً ان کو ماں باپ سے لیکر اپنا لیا تھا اور اپنے ہی پاس رکھتے تھے، دوسرے صاحبزادے حضرت اظہار الیقین صاحب جو کہ اب دنیا سے اٹھ چکے ہیں ان کی طرف باپ کی خاص توجہ تھی اور ان کی تعلیم کا انتظام بھی فرما چکے تھے۔ اس زمانہ کے ممتاز شیخ اپنے پیر بھائی اور حضرت گنگوہی کے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد کے پاس بھی بھیجا، ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی حضرت موصوف ہی کے لاڈلے خلیفہ ہیں۔

مولوی اظہار الیقین کو حضرت مولانا نے اپنے استاد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں بھی بھیجا تھا، باوجود ان خصوصیات کے حضرت نے جانشین کے لئے ان دو میں سے کسی کو منتخب نہیں فرمایا، بلکہ تیسرے صاحبزادے مولانا واثق الیقین کو چھانٹا جو

اس وقت چھ سال کے بچے تھے اور جن کی صلاحیتیں اس وقت بروئے کار بھی نہ آئی تھیں، یہ کیا ہے؟ نورِ بصیرت ہے یا القاء ربانی والہام یزدانی کہ آپ نے اس کمزور پودے کے اندر ایک تناور مایہ دار گھنا پھل پھول سے لدا ہوا درخت دیکھ لیا، جو اجازت نامہ دستاویز خلافت خاموشی اور رازداری سے مرتب فرمایا تھا اس کو بلا اطلاعِ سابق اچانک رات کی تاریکی میں اور اندھیری درگاہ میں مخصوص مخلصین معتمد علیہ صلحاء کو جمع کر کے ظاہر فرمایا، پہلے درگاہ کے اندر اپنے جدِ امجد حضرت شاہ نجات اللہ کے مزار شریف کے پائنتی اپنے خورد سال فرزند کو بٹھا کر بیعت فرمایا اور سر پر عمامہ باندھا اور اجازت وخلافت کی تفصیل ایسے درد انگیز اور رقت خیز لہجے میں اور ایسے پر اثر انداز میں بیان کی کہ حاضرین کو اندازہ ہوگیا کہ حضرت کو واپسی کی طرف سے حتمی مایوسی ہے سب کا یہ حال ہوا کہ آنسو جاری ہوگئے اور آہیں پیدا ہوگئیں، چونکہ احادیث میں سرج کی ممانعت آئی ہے اور حضرت عارف باللہ مولانا نجات اللہ کی ہدایتوں میں سے ایک یہ بھی ہدایت ہے کہ میرے مزار پر روشنی نہ لائی جائے، اس لئے درگاہ شریف کے اندر شمع وچراغ نہیں جاتا، آپ نے سرہانے والے شمالی مختصر دالان میں جو قبور سے خالی ہے روشنی طلب فرمائی اور اجازت وخلافت نامہ اور دستاویز جانشینی پڑھ کر سنائی اور اس پر صلحاء حاضرین کے دستخط لئے۔ ان سب کو تائید شدید وبلیغ فرمائی کہ اس معاملہ کو قطعی طور سے راز میں رکھا جائے اور اس کا افشاء ہرجگہ نہ ہونے پائے۔

کیا اچھا ہوتا کہ سوانح مختصر کا دامن اپنے اندر اس اجازت نامہ کے نقل کی گنجائش دے سکتا۔ انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ اس کے لئے گنجائش نکل سکے۔ آخر کار یومِ پنجشنبہ ۳، شوال ۱۳۲۳ھ کی وہ اہم اور یادگار تاریخ آگئی جب یہ قافلۂ سالار خود واپس نہ آنے کے لئے اپنے قافلہ کو لیکر سفرِ حج پر روانہ ہوا۔

حضرت صاحبِ سوانح کے والد ماجد حافظ محمد سراج الیقین اپنے سفرنامہ "سراج وہاج" [۵] میں رقم طراز ہیں کہ:

"تیسری شوال، روز پنجشنبہ ۱۳۲۳ھ کو مع اپنے خلف الصدق برخوردار باوقار

عالم وفاضل، محدث کامل مولوی حاجی وقاری حکیم شاہ محمد صادق الیقین مدّ عمرہٗ، ونورالابصار، عالی تبار، نواسۂ فقیر مولوی محمود العافی سلمہٗ واہلیہ وصبیہ فرزند موصوف القدر فقیر ومیر صادق علی صاحب وحاجی رحیم وگلاب گدی وغیرہ سب دس نفر ہیں۔ اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر راہی منزل مقصود ہو کر لکھنؤ پہونچا۔ یہاں پر ایک شب قیام کر کے جمعہ کو بمبئی کے لئے روانہ ہو گئے۔ پھر بعنایت الٰہی نہایت آرام و آسائش کے ساتھ لکھنؤ سے دس پہر کے عرصہ میں بمبئی پہونچے، جب ہم لوگ بمبئی پہونچے،[۱۶] جناب مولانا خلیل احمد صاحب جو کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد رشید ہیں اور خلیفہ اول اور مدرسہ سہارنپور کے افسر مدرّس ہیں، جس وقت آپ نے سنا کہ مولوی صادق الیقین آئے ہیں، فوراً ملاقات کو تشریف لائے اور بکمال شفقت وعنایت اور تعظیم وتکریم سے پیش آئے۔ جناب مولوی حکیم محمد اسماعیل صاحب گنگوہیؒ، مقلب بہ حکیم اجمیریؒ اور بڑے بڑے عالم فاضل درویشِ کامل، مثل مولانا محمد اسحاق صاحبؒ مدرس مدرسہ اسلامیہ دہلی، ومولوی حاجی عاشق الٰہی صاحبؒ رئیس میرٹھ ومولوی سید احمد صاحبؒ مہاجر مدینہ منورہ اور مولوی عبدالہادی صاحبؒ واعظ ساکن مدراس اور جو حضرات سنتے ہیں کہ مولوی صادق الیقین آئے ہیں برابر تشریف لاتے ہیں اور بکمالِ محبت وعنایت بہ تعظیم وتکریم پیش آتے ہیں۔[۷]

تیئیسویں شوال بعد معائنہ ہم لوگ جہاز پر پہونچے، سب حجاج اس جہاز میں نو سو سے زائد ہیں، فقیر کو جو جگہ ملی ہے اس جگہ پر مولانا خلیل احمد صاحب مقیم تھے، آپ نے براہِ عنایت اپنی جگہ فقیر کو عنایت فرمائی اور آپ اس مقام پر تشریف لے گئے جہاں آپ کے اہلِ خانہ اور صاحبزادی وغیرہ مقیم تھیں۔ یہ سب پاس ولحاظ ہمارے برخوردار مولانا صادق الیقین کا ہے ورنہ ایسے مقام پر ایسی رعایت بہت دشوار بلکہ ناممکن ہوتی ہے۔[۸]

الحمدُ للہ ثم الحمدُ للہ کہ آج بتاریخ ۱۸، روز یکشنبہ کو ہم سب لوگ جہاز سے اتر کر جدہ شریف آ گئے، جدہ شریف سے مکہ مکرمہ پوری دو منزل ہے۔[۹]

ہم سب لوگ بعنایت الٰہی اکیس، ماہ ذی قعدہ، مروز چہار شنبہ نماز عصر کے اوّل وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوکر شرف زیارت سے بہرہ ور ہوئے[10]

برخوردار نور الابصار محمد صادق الیقین صاحب کی طبیعت تو جہاز ہی پر ناساز ہو چکی تھی اور ضعف زیادہ ہو چکا تھا، بوجہ ضعف و نقاہت برخوردار موصوف نے شبری پر سوار ہو کر طواف وسعی دونوں سے فراغت حاصل کی[11]

علالت بعارضہ پیچش روز بروز ترقی کرتی رہی حتی کہ بعد فراغتِ حج بالکل صاحب فراش ہوگئے۔ چوکی پاخانہ کی چارپائی کے قریب لگادی گئی، انجام کار مرض نے اس قدر طول کھینچا کہ چوکی پر بھی جانا بدون استعانت کسی دوسرے شخص دشوار ہوگیا۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ تیسری محرم الحرام روز سہ شنبہ ۱۳۲۴ھ کو بوقت دس بجے کے قریب خیر البلاد مکہ معظمہ میں جاں بحق تسلیم ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[12]

برخوردار مرحوم و مغفور کو اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بہت سے مراتب عُلیا عطا فرمائے تھے وہاں ایک مرتبہ اعلیٰ یہ بھی عطا فرمایا تھا کہ ایسے مقامِ مقدس میں ان کا انتقال ہوا جہاں کی مَوت کی لوگ تمنّا و آرزو رکھتے ہیں۔ مولوی محمد سعید صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ، حافظ قاری عبداللہ صاحب، قاری عبدالرحمٰن صاحب، ڈاکٹر اکبر خاں صاحب مہاجر وغیرہم کے اہتمام سے جنازہ اٹھایا گیا، حرم محترم شریف کے اندر ملتزم مقدس کے متصل جو خاص بیت اللہ شریف کا دروازہ ہے اس کی دیوار متبرکہ سے ملا کر رکھا گیا، حنفی مصلی کے امام صاحب نے نماز ظہر ادا کر کے جماعتِ کثیرہ کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، جنتُ المعلی (مکہ معظمہ کے مشہور قبرستان) میں مدفون ہوئے، قبر کے لئے اعلی درجہ کی جگہ ملی جو شعبہ النور کے نام سے مشہور ہے۔

اسی قبرستان میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صاحبہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ومشاہیر فضلاء کے مزارات بکثرت ہیں، اسی گورستان میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور جناب مولانا رحمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب مہاجر بھی مدفون ہیں جن کا مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں مشہور و معروف ہے۔ غرض کہ برخوردار موصوف مرحوم کی خوش نصیبی میں

کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وعنایت اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وتصدق اور حرم محترم ومعظم ومکرم کی برکت سے ان کی مغفرت فرمائے اور مقام اعلیٰ پر پہونچائے۔ آمین ثم آمین۔ بحرمتہ طٰہٰ ویٰسین[۱۳]۔ OO

حواشی:

۱- شمائم امدادیہ، ص ۷۶ تا ۱۴۱۔ طبع (لکھنؤ ۱۳۱۴ھ) امداد المشتاق، حکیم الامت تھانوی، ص ۴۱ تا ۹۷۔ عکس طبع اول (مکتبہ برہان، دہلی ۱۴۰۱ھ)

۲- تذکرۃ الرشید، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ ص ۲۴۲ تا ۲۵۰ (عکس طبع اول سہارنپور ۱۹۷۷ء)

۳- شمس العارفین، تالیف مولانا سراج الیقین کرسوی۔ ص ۹۴-۹۵ (افضل المطابع بردوئی، ۱۳۳۳ھ) اس نسخہ کا عکس پاکستان میں شائع ہوچکا ہے۔

۴- جس وقت یہ مضمون لکھا گیا تھا، حضرت شیخ الحدیث حیات تھے۔ (وفات شعبان ۱۴۰۲ھ)

۵- سراج وہاج پہلی مرتبہ مطبع فخر المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ تقریباً دس سال پہلے پاکستان سے اس کا ری پرنٹ چھپا۔ خدا بخش لائبریری کے جرنل کے تازہ شمارہ (۷۵-۷۷) میں بھی اس کا عکس چھپا ہے۔ یہی اشاعت اس وقت پیش نظر ہے۔ صوفی صاحب کی تحریر میں سراج وہاج کے مختلف مقامات کے متفرق الگ الگ اقتباسات ایک مسلسل عبارت کی صورت میں درج ہیں۔ یہاں ہر ایک اقتباس کا علیحدہ حوالہ لکھ دیا گیا ہے۔ (ن)

۶- سراج وہاج، ص ۴

۷- سراج وہاج ص ۲۲

۸- سراج وہاج ص ۲۴

۹- سراج وہاج ص ۳۴

۱۰- سراج وہاج ص ۳۸

۱۱- سراج وہاج ص ۳۹

۱۲- سراج وہاج ص ۴۷

۱۳- سراج وہاج ص ۴۸-۴۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکر بیحد و بی نہایت [illegible] خداوند [illegible] حکم بدینا [illegible]

[illegible] ترجمہ [illegible] نازل [illegible] وسیلہ [illegible] احکام الٰہی [illegible]

[illegible] علیہم [illegible] است کہ [illegible]

[illegible] است کہ [illegible] احسان الٰہی [illegible]

[illegible] عز و علا و تعالیٰ محکم [illegible]

[illegible] اول اسم ذات کہ لفظ اللہ [illegible]

[illegible] بموجب [illegible]

[illegible] لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ چون نبی [illegible]

[illegible]

[illegible] رحمت [illegible]

[illegible] است چون آدمی خواند [illegible]

پروردگار [illegible]

[illegible] قسمت کہ [illegible] امام مالک [illegible] روایت

[illegible] است کہ فرمود [illegible] لن تضلوا ما تمسکتم بہما [illegible]

عکسِ تحریر حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی

(ورقے از "فضل القرآن")

مختصر خبریں

● ایتھوپیا کی حالیہ مردم شماری کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ وہاں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ۶۰-۶۵ فیصد تک پہنچ گئی ہے۔ مسلم ورلڈ لیگ مکہ مکرمہ نے وہاں ایک اسلامی ہائر سکنڈری اسکول قائم کیا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کا رجحان اسلامی تعلیم کی طرف کافی بڑھ رہا ہے۔

● پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل نے وزارتِ مذہبی امور کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے کہ ڈاک ٹکٹوں پر قرآنی آیات یا اللہ اکبر کی طباعت پاکستان کے تشخص کے اظہار کا موثر ذریعہ ہے۔ کونسل نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ان کلمات کی اس طرح طباعت سے تبلیغ وتشہیر کے بجائے ان کی بے حرمتی کا زیادہ امکان ہے، خاص طور سے غیر مسلم ملکوں میں اس کا زیادہ خطرہ ہے۔

● سعودی حکومت نے تمام مسلم ممالک کی وزارت صحت کو مطلع کیا ہے کہ حج کے لئے آنے والوں کو صحت ٹھیک ہونے کا تصدیق نامہ اور ایسے شناختی کارڈ اپنے ساتھ لانے ہوں گے جس میں نام، عمر، پاسپورٹ نمبر وغیرہ درج ہوں، اس کے علاوہ حاجیوں کو چاہیئے کہ وہ قیام کے وقت بازو پر ایک ایسی پٹی باندھے رکھیں جس پر اپنے متعلق ضروری معلومات لکھی ہوئی ہوں۔

● سوڈان کی حکومت نے ایک سرکاری اعلان نامہ میں ملک کی تمام یونیورسٹیوں میں پڑھنے والی مسلم طالبات کے لئے اسلامی لباس پہننا ضروری کردیا ہے۔ سوڈان کے وزیر تعلیم جناب ابراہیم احمد نے کہا ہے کہ چونکہ ہمارا ملک ایک مسلم مملکت کی تعمیر کے عمل سے گذر رہا ہے اس لئے طالب علموں کو چاہیئے کہ وہ اسلامی طرز زندگی اختیار کریں۔

● امریکہ کے اخبار واشنگٹن پوسٹ کی اطلاع کے مطابق ۹۰-۱۹۸۰ء کے دوران افغان مجاہدین کو فراہم کئے جانے والے اسٹنگر میزائلوں کو واپس خریدنے کے لئے امریکہ (کی سی-آئی-اے) کا منصوبہ ناکام ہوگیا ہے۔ واضح رہے کہ امریکی کانگریس نے ان ہتھیاروں کو واپس لینے کے لئے ساڑھے چھ کروڑ ڈالر خفیہ طور سے مختص کئے تھے۔

● پچھلے دنوں سادھوؤں کا چھٹا دھرم سنسد ہردوار میں منعقد ہوا۔ اس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ اجودھیا میں مندر ضرور بنایا جائے گا۔ سادھوؤں نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اجودھیا کے بعد وہ متھرا اور کاشی کا رُخ بھی کریں گے۔ ہندوستان کو ہندوراشٹر بنایا جائے گا اور سنسکرت کا استعمال اور تعلیم لازمی قرار دی جائے گی۔ دوسری طرف انگریزی ہفت روزہ

سنڈے کو انٹرویو دیتے ہوئے آر۔ ایس۔ ایس۔ کے نئے سربراہ راجندر سنگھ عرف راجو بھیّا نے مسلمانوں کو وارننگ دی ہے کہ انہیں ہندو جذبات سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

● مدورائی۔ یہاں دختر کشی کے بارے میں خبر دینے والے شخص کو ایک ہزار (=/۱۰۰۰) روپے کا انعام دیا جائے گا۔ یہ اعلان گذشتہ دنوں سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (مدورائی دیہی) نے کیا ہے۔

نامہ نگاروں سے بات کرتے ہوئے انھوں نے اعتراف کیا کہ اوسی پسی اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں نومولود لڑکیوں کو مار ڈالنے کا رواج ہے۔ انھوں نے امید ظاہر کی ہے کہ اس طرح کے انعامات سے ایسے جرائم میں کمی آئے گی۔

● دہلی کے قطب مینار اور ہمایوں کے مقبرہ کو تاریخی آثارِ قدیمہ کے عالمی ورثہ میں شامل کرلیا گیا ہے۔

حکومت ہند نے سفارش کی تھی کہ ہمایوں کے مقبرہ کو عالمی ورثہ آثار قدیمہ کی فہرست میں شامل کرلیا جائے کیونکہ اس کی اپنی تاریخی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ یہ برصغیر ہند میں باغ اور مقبرہ کے امتزاج کا سب سے پہلا اور بہترین نمونہ ہے۔

ملک میں فن تعمیر کی یہ انوکھی جدت (ہمایوں کے مقبرہ کے ذریعہ سے) پہلی بار منظرِ عام پر آئی تھی۔ اس طرز تعمیر نے ترقی کرتے ہوئے بالآخر تاج محل کی صورت اختیار کرلی۔

قطب مینار اور آس پاس کی یادگاروں (مساجد وغیرہ) کے بلند مینارے ابتدائی اسلامی دور کے ہندوستانی فن وطرز تعمیر کی ایک نمایاں مثال ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ نے ان دو یادگاروں کے تحفظ و تزئین کا پہلے ہی پورا انتظام کرلیا ہے۔ اب ہندوستان میں سولہ یادگاریں ایسی ہوگئی ہیں جو یونیسکو کی طرف سے عالمی ورثہ کی حامل یادگار قرار دی جاچکی ہیں۔

● بھوجن سماج پارٹی کے صدر کانشی رام نے مطالبہ کیا کہ "ہریجن" لفظ کے استعمال پر پابندی لگائی جائے کیونکہ بقول ان کے یہ غیر آئینی ہے۔ یہاں نامہ نگاروں سے بات چیت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اگر سرکار اس لفظ کے استعمال پر پابندی عائد نہیں کرتی تو وہ عوام کی مدد سے اسے بدل دیں گے۔

● اقلیتوں کے قومی کمیشن کے چیرمین جسٹس سردار محمد علی خاں نے کہا ہے کہ ہندوستان میں جب کبھی اور جیسا بھی یکساں سول کوڈ نافذ ہوگا تو اس میں بہت کچھ اسلامی اصولوں سے شامل کرنا ہوگا۔

جسٹس خاں نے کہا کہ اسلامی قانون جو ہر ایک مسلمان کے عقیدہ کا لازمی حصہ ہے، دنیا کے مختلف حصوں میں حالات کے مطابق نشوونما پاکر صدیوں میں مکمل ہوا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اسلامی قانون بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور وراثت، معاہدوں، خاندانی معاملات، شادی اور طلاق کے سلسلے میں اسلامی قوانین بجا طور پر قابلِ فخر ہیں۔

جسٹس خان نے کہا کہ مساوات کا تصور اسلامی قانون کا اصول ہے۔ موجودہ دور میں اس کی اہمیت بالکل ظاہر ہے۔ انھوں نے کہا کہ جہاں کوئی صریح اسلامی قانون موجود نہیں وہاں اجتہاد کیا جاتا ہے۔